C 0980. Date 6-1

Title - MAZHAB-O-TAMADDUN.

Author - Sayyed Abul Hasan Ali Nadvi.

Publisher - Maktaba Jamia (Delhi).

Date - 1943.

Pages - 111

Subject - N.A.

مذہب و تمدّن
CHECKED
Date
مکتبہ جامعہ
دہلی
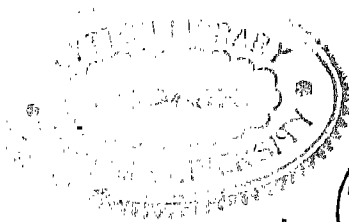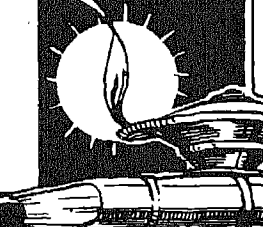
مذہب و تمدن

از

سیّد ابو الحسن علی ندوی

مکتبہ جامعہ
دہلی، نئی دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی

بار اول ۱۰۰۰

قیمت عہ؍

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب، فلسفہ اور تمدن کے مشترک سوالات

مذہب، فلسفہ اور تمدن کے چند مشترک سوالات ہیں جن کے جواب ہی پر ان سب کی بنیاد ہے۔ اس دُنیا کا آغاز و انجام کیا ہے، کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے، اگر ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے اور اس کے لئے اس زندگی میں کیا ہدایات ہیں؟

نیز یہ کہ کائنات بحیثیت مجموعی کیا ہے، اس کو اس نظم وضبط میں رکھنے والی اور ایک ہمہ گیر اور محکم قانون کے مطابق چلانے والی ذات کونسی ہے، اس کے کیا صفات ہیں، اس کا انسانوں سے کیا تعلق ہے، اور انسانوں کا اس سے کیا تعلق ہونا چاہیئے، کیا ان قوانین طبعی کے علاوہ جو اس عالم میں کارفرما ہیں کوئی اخلاقی قانون بھی ہے، اگر ہے تو اس کی کیا تفصیلات ہیں، انسان کی اس کائنات میں صحیح حیثیت اور منصب کیا ہے، وہ خودمختار ہے یا کسی کا ماتحت، کسی دوسری طاقت اور عدالت کے

سامنے ذمہ دار ہے یا آزاد اور غیر ذمہ دار، اس کا کمال مطلوب کیا ہے ؟

یہ اوّلین اور بنیادی سوالات ہیں جن کو کوئی ایسا نظام ایک لمحہ کے لئے بھی نظر انداز نہیں کرسکتا جس کا تعلق زندگی کی گہرائیوں سے ہو اور جس کی جڑیں انسان کے قلب و دماغ میں پیوست ہوں۔ اور اس کی شاخیں انسانی زندگی کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہوں، مذہب انہی سوالات کا یقینی جواب دینے کا دعویٰ کرتا ہے، فلسفہ انہی مسائل سے بحث کرتا ہے، تمدن (اپنے وسیع اور عمیق مفہوم میں) انہی بنیادوں پر اپنی عمارت قائم کرتا ہے۔

ان سوالات کا متعین جواب دیئے بغیر نہ ہم زندگی کا کوئی حقیقی مسئلہ طے کرسکتے ہیں، نہ تمدن و اجتماع کا کوئی نقشہ بنا سکتے ہیں، کوئی تمدن خواہ کتنا سطحی اور مادی ہو، ان سوالات کے جواب کا کوئی نہ کوئی رُخ ضرور رکھتا ہے جو اس کی عمارت کی بنیاد کے نیچے بھی بنیاد کا کام دیتا ہے اور بنیاد کی اس گہرائی سے لے کر اس کے کاخ و ایوان کی بلندی تک یکساں اثر انداز ہوتا ہے، اسی ذہنی سرچشمہ سے اس کی زندگی کی ساری نہریں پھوٹتی ہیں اور ان کے رُخ متعین ہوتے ہیں، معاشرت و معاملات، اخلاق و اجتماع، سیاست و آئین، علم و فلسفہ، تہذیب و شائستگی غرض اندرونی و بیرونی زندگی کے تمام مناظر و مظاہر اسی بنیادی تصور کا عکس ہوتے ہیں، اگر آپ کو معلوم ہے کہ کسی قوم یا تمدن نے مندرجہ بالا سوالات کے جواب کا فلاں پہلو اختیار کیا ہے تو آپ اس کی زندگی کے نقشہ کے تمام خانے از خود بھر سکتے ہیں، یا اگر آپ کی کسی قسم کی زندگی اور کسی تمدن کی خصوصیات پر گہری نظر ہے، تو آپ صحیح طور پر تشخیص

کر سکتے ہیں کہ اس نے جواب کا کونسا پہلو اختیار کیا ہے ،

یہ سوالات انسان کی فطرت کے سوالات ہیں ، اس لئے انسان کی فطرت کی طرح ان کی تاریخ بھی قدیم ہے ، دُنیا کے ہر دور میں یہ سوالات پیدا ہوئے اور ان کا جواب دیا گیا اور انھی جوابات پر مختلف انسانی فلسفے ، تہذیبیں ، اور نظام حیات قائم ہوئے ، جن کی تاریخیں ہم پڑھتے ہیں اور اکثر ان کی بالائی سطح اور اس کے ظاہری نقش و نگار سے اس کی فرصت نہیں ہوتی کہ ہم ان کے عناصر ترکیبی کا تجزیہ کریں اور ان کا وہ مزاج معلوم کریں ، جس کی وجہ سے وہ دوسرے تمدنوں سے ممتاز ہوتے ہیں -

ہم کو اس موقع پر یہ دیکھنا ہے کہ ان سوالات کے حل کے ہمارے پاس کیا ذرائع ہیں ، اور ان سوالات کو کس کس طرح حل کیا گیا ہے ، اس سلسلہ میں ہم کو سب سے پہلے اپنی قوتوں کا جائزہ لینا ہوگا ، جن سے ان سوالات کے جواب میں ہم بظاہر مدد لے سکتے ہیں ،

جواب کے وسائل اور ان کی علمی تنقید

حواس | علم حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس قدرت کا سب سے بڑا اور عام عطیہ یہ حواس خمسہ ہیں ، جن کے ذریعہ ہم یقینی[1] علم حاصل

---

[1] بہت سے حکماء حواس کو حصولِ علم کا ایک مشتبہ ناقابل اعتماد اور کمزور ذریعہ مانتے ہیں ، سترھویں صدی کا ایک عالم (نکولاس ملیبراس) اپنی کتاب جستجوئے صداقت میں لکھتا ہے :-

" غلطی کا ایک بڑا ماخذ یہ غلط یقین ہے کہ حواس جو حقیقت میں

کر سکتے ہیں، محسوسات سے زیادہ بدیہی اور قطعی معلومات ہم کو میسّر نہیں آسکتے، ہم نے انھی حواس کے ذریعہ اس عالم کو دریافت کیا، اور اس سے تعلق پیدا کیا ہے۔ اس کے بہت سے طبعی قوانین اور ظواہر معلوم کئے ہیں، ہمارے پاس مناظر و مرئیات، مسموعات اور دوسرے محسوسات کا ایک بڑا خزانہ ہے، اس لئے ہم کو مندرجۂ بالا سوالات پر پھر ایک بار نظر ڈالنی چاہیئے، اور ایک ایک سوال کو اپنے حواس کی قوت سے حل کرنا چاہیئے!

لیکن کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں؟ پہلے ہی سوال کو لیجئے، ہم کہاں سے آئے اور کہاں جائیں گے؟ یعنی اس عالم کا آغاز و انجام کیا ہے؟ کیا ہماری آنکھیں، ہمارے کان، ہماری قوتِ لامسہ، ہماری قوت ذائقہ اور قوت شامّہ اپنی صحت اور طاقت کے باوجود اس بارے میں ہماری کوئی رہنمائی کر سکتی ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم حواس کے ذریعہ صرف اتنا ہی معلوم کر سکتے ہیں کہ ہم اس وقت کہاں ہیں، ہماری یہ تمام

ہم کو محض عملی اغراض کے لئے عطا ہوئے ہیں، ماہیت اشیاء کو ہم پر منکشف کر سکتے ہیں۔"

مونٹین لکھتا ہے:۔ "انسان کا علم بہت ناقص ہے اس کے حواس غیر یقینی اور خطا پذیر ہیں، ہم کبھی نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے حقیقت کو ہمارے سامنے پیش کیا، حواس کو دنیا ایسی ہی معلوم ہوتی ہے، جیسی ان کی فطرت و حالت ہے، اور ادراک حسّی میں خارجی اشیاء نہیں، بلکہ محض آلات حس کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے، حواس پر یقین کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک آلہ ہونا چاہیئے، جو ان کی تصدیق و تکذیب کر سکے اور پھر اس آلہ کی جانچ کے لئے ایک اور آلہ ہونا چاہیئے، اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی ہوگا۔"

طاقتیں اس کے آگے اور پیچھے ایک خاص حد پر جاکر ٹھیر جاتی ہیں، اور ان سرحدوں کو پار نہیں کر سکتیں، جو فطرت نے قائم کردی ہیں ہم ایک خاص حد کے آگے دیکھ نہیں سکتے، ایک حد تک ہماری قوت سماعت کام کرتی ہے، دوسرے حواس کی طاقتیں ان دو سے بھی زیادہ محدود ہیں، اس زندگی کے بعد کوئی زندگی ہے یا نہیں؟ ہمارے حواس نہ اس کا اثبات میں جواب دے سکتے ہیں، نہ نفی میں، اس لئے کہ یہ حواس خود اس زندگی کے پابند اور اس کی حد کے اندر محدود ہیں، اس کے باہر کسی چیز پر وہ کوئی موافق یا مخالف حکم نہیں لگا سکتے، اور اس کی ان سے نہ تصدیق ہوسکتی ہے نہ تکذیب، ان کی بنا پر زیادہ سے زیادہ اس کے محسوس ہونے کا انکار کیا جاسکتا ہے، موجود ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن کیا محسوس اور موجود ایک چیز ہے؟ اور جو محسوس نہیں وہ موجود ہی نہیں، کیا روزمرہ کی زندگی میں ہمارا اسی پر عمل ہے، جس کو ہم محسوس نہیں کرتے اس کو موجود بھی نہیں مانتے، یقیناً نہیں اگر ایسا ہو تو انسان اور جانور میں کوئی فرق نہ رہے اور علم و تمدن کی ساری عمارت منہدم ہو جائے!!

پس جب اس زندگی کا ہم اپنے حواس کے ذریعہ سرے سے ادراک ہی نہیں کر سکتے، تو اس کی مزید تفصیلات و کیفیات کا علم کیا حاصل کر سکتے ہیں۔

اسی طرح یہ سوال کہ یہ عالم بحیثیت مجموعی کیا ہے حواس کے لئے ناقابل حل ہے، حواس، اس عالم کے کسور و اجزا کو معلوم کر سکتے ہیں، اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اس عالم کے صد ہا کسور و اجزا حواس

کے تحت میں آ سکتے ہیں، اور ہم اپنے حواس سے ان کو محسوس کرتے رہتے ہیں لیکن کیا ہمارے حواس ہم پر ان منتشر اجزا کے باہمی ربط کو بھی منکشف کر سکتے ہیں، جو ان کو مربوط کر کے ایک متناسب و متوازن مجموعۂ کائنات بنائے ہوئے ہے، اور پھر اس ربط و ہم آہنگی کا حقیقی سبب اور اس عالم کا مرکز اصلی بھی دریافت کر سکتے ہیں، جہاں سے اس کو زندگی، طاقت روشنی، متضاد عناصر میں اجتماع، اور منتشر اجزا میں ضبط و نظام حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم اپنے حواس کے ذریعہ صرف قوانین طبعی کا تھوڑا بہت علم حاصل کر سکتے ہیں، اس لئے کہ ان کے بہت سے آثار و نتائج ہمارے مشاہدہ اور حس میں آتے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے بہت سی چیزیں ہمارے لئے بدیہی ہیں، آگ کے متعلق ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ وہ جلاتی ہے، پانی کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ وہ پیاس بجھاتا ہے، زہر کے متعلق ہمارا مشاہدہ ہے کہ وہ قاتل ہے، لیکن اخلاقیات کے متعلق ہمارا یہ مشاہدہ اور تجربہ نہیں، ہم جس طرح اپنی قوت لامسہ سے آگ کی تپش معلوم کر لیتے ہیں، اور اس کے جلانے کی طاقت کو اپنے حواس سے جانتے ہیں، اسی طرح ظلم کے نقصان اور اس کی خرابی کو اپنے ظاہری حواس سے نہیں معلوم کر سکتے، جھوٹ اور خیانت اور دوسرے اخلاقی جرائم کے نتیجے کا ہم محض حواس سے ادراک نہیں کر سکتے، اس کے لئے ایک اخلاقی وجدان یا مذہبی ایمان کی ضرورت ہوگی، اس سے ہم کو جو قلبی احساس حاصل ہوگا، وہ آگ کی تپش یا ہاتھ کی سوزش سے مختلف ہوگا،

اسی طرح انسان کے متعلق جہاں تک ہمارے حواس ظاہری

کا تعلق ہے، ہم یہی محسوس کر سکتے ہیں کہ وہ آزاد و خود مختار ہے، وہ کسی غیر انسانی عدالت یا حکومت کے سامنے جوابدہ اور ذمہ دار نظر نہیں آتا اس میں اور دوسرے جانوروں میں اس کے سوا اور کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ایک بولنے والا جانور (حیوانِ ناطق) ہے، اور ایک ترقی یافتہ قسم کا چرند ہے، اس کا کمالِ مطلوب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے حیوانی تقاضوں کو اپنی انسانی ہنرمندی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پورا کرے!

یہ ہمارے حواس ظاہری کا طبعی عمل اور اس کے طبعی نتائج ہیں، ابھی میں یہ عرض نہیں کروں گا کہ ان حواس پر اعتماد کر کے اگر ہم محسوسات ہی پر اپنی زندگی کی عمارت تعمیر کریں، تو وہ عمارت کیسی ہوگی، اور اس کی بنیاد میں کونسی خرابیاں ہوں گی، اور اس کی دیواروں میں کہاں تک کجی ہوگی۔

عقل | جانوروں کے مقابلہ میں انسان کا جو کچھ امتیاز ہے وہ عقل کی وجہ سے ہے، یہ مسائل تمام تر انسان کے تھے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ کیا عقل انسانی سے انسانی زندگی، اور کائنات کے اس معمہ کو حل کر سکتے ہیں۔

عقل کا خود عقل پر جو کچھ رعب ہے، اس سے آزاد ہو کر اگر ہم عقل کی عقلی تنقید یں کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ عقل اپنا طبعی فریضہ انجام دینے میں تنہا کافی نہیں، اس کو اپنے علاوہ اپنے سے کمتر چیزوں سے مدد لینی پڑتی ہے، کسی ایسی چیز تک پہنچنے میں، جس کو وہ ابھی تک نہیں جانتی، ان معلومات سے کام لینا پڑتا ہے، جو اس کو پہلے سے حاصل

ہوتے ہیں، مقدمات محسوسات ہی ہوتے ہیں، تمام معقولات کی تحلیل و
تجزیہ کیجئے گا، اور عقل کا دلچسپ اور طویل سفرنامہ سنیئے گا تو معلوم
ہوگا کہ حقائق کی ان نئی نئی دنیاؤں تک پہنچنے اور لاعلمی کے ان بڑے
بڑے سمندروں کے عبور کرنے میں اس کا ذریعہ سفر وہی حقیر محسوسات
اور ابتدائی معلومات تھے، جو بلا کسی عقلی ترتیب کے اس عظیم الشان
نتیجہ تک نہیں پہنچا سکتے تھے،

بس جہاں انسان کے حواس کام نہ کر سکتے ہوں، جہاں اس
کے پاس معلومات کا کوئی ذخیرہ نہ ہو، جس کے مبادی سے بھی وہ
خالی الذہن ہو، وہاں اس کی عقل اسی طرح بے بس ہوتی ہے، جس
طرح انسان کشتی کے بغیر سمندر کو عبور نہیں کر سکتا۔ اور طیارہ کے بغیر
ہوا میں اڑ نہیں سکتا۔

آپ اس کا تجربہ کر سکتے ہیں، ایک ذہین آدمی جو ریاضی کے
ابتدائی اصول سے واقف نہ ہو، اعداد تک اس کو معلوم نہ ہوں، وہ
فطرتاً خواہ کتنا ہی ذکی ہو، ریاضی کا کوئی پیچیدہ سوال حل نہیں کر سکتا
کوئی غیر معمولی ذہین انسان اقلیدس کے اصول موضوعہ کی واقفیت کے
بغیر کوئی شکل ثابت نہیں کر سکتا، جس شخص نے کسی زبان کا رسم الخط
نہیں سیکھا، وہ ہزار عقل وقیاس سے کام لے، اس زبان کی ایک سطر
نہیں پڑھ سکتا، جس شخص کو کسی زبان کے مفردات بھی معلوم نہیں، وہ
اس زبان کی کوئی عبارت محض اپنی ذہانت عام یا قیاس سے نہیں
سمجھ سکتا، اسی طرح ہر فن اور علم کے مبادی کو قیاس کر لیجئے۔

اب مندرجہ بالا سوالات کو لیجئے، ان تمام سوالات کا تعلق

تمامتر مابعد الطبیعیات سے ہے، عالم کے آغاز و انجام، زندگی بعد موت مجموعۂ کائنات، خالق و مدبر کائنات، اس کی ذات وصفات، اس کی منشاء تخلیق، قوانین اخلاقی، منصب انسانی، ان میں سے کونسی ایسی چیز ہے، جس کے متعلق ہم کچھ بھی معلومات اور تجربہ رکھتے ہیں، یا جن کے علم کے مبادی بھی ہم کو حاصل ہیں یا حاصل ہوسکتے ہیں، ان تمام مسائل میں حواس کی طرح عقل کی بھی معقول پوزیشن یہ ہے کہ وہ ایک غیر جانبدار فریق کی طرح سکوت اختیار کرے۔ اس کو نہ اس کی طاقت ہے کہ وہ محض اپنے زور پر ان مسائل کو ثابت کرے یا ان کی تشریح کرے، نہ قانوناً اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی نارسائی کی بنا پر ان کا انکار کردے، جس طرح ایک نابینا کو اس کا حق نہیں کہ ایک بینا کے مشاہدات و تجربات کی اپنے نہ دیکھنے کی بنا پر تردید کرنے لگے، وہ زیادہ سے زیادہ اپنے مشاہدہ اور رویت کی نفی کرسکتا ہے، مزید برآں اس کو یہ بھی حق نہیں کہ وہ اس کے چشم دید بیانات کی تشریح و تفصیل کرنے لگے، اس لئے کہ اس کے لئے اس کا بھی کوئی امکان نہیں،

لیکن انسان کی فطرت غیر قانع اور متجسس واقع ہوئی ہے، کچھ اپنے اس فطری تجسس کی بنا پر اور زیادہ تر مدعیانِ عقل کی خود فریبی کی وجہ سے اس نے ان مسائل میں جستجو شروع کی، اور اپنے عقل و فہم، اور ظن و قیاس سے ان کے جوابات دیئے، ان کی تفصیلات طے کیں، ان قیاس آرائیوں اور موشگافیوں کا نام فلسفہ ہے۔

فلسفہ | ایک سلیم الفطرت طالب علم کے لئے علوم انسانی کی پوری تاریخ میں کوئی علمی انکشاف غالباً اس درجہ حیرت انگیز نہ ہوگا،

جتنا یہ انکشاف، کہ تقریباً ڈھائی ہزار سال[1] تک متواتر فلسفہ جیسے علم نے جس کو مبنی بر عقل و استدلال ہونے کا دعوے ہے، اور جس کی بنیاد اصولِ منطق پر ہے، ایسے مسائل سے بحث جاری رکھی، جس کے مبادی اولیہ بھی اس کو حاصل نہ تھے، اور نوع انسانی کے لائق ترین افراد اس طویل مدت تک ایسی منزل کے پیچھے سرگرداں رہے جس کا نشان راہ بھی ان کو حاصل نہ تھا، خدا کی ذات اور اس کی ماہیت، خدا کی صفات اور ان کی حقیقت، ان کا ذات سے تعلق اور نسبت، ان صفات کا طریق ظہور، افعالِ خداوندی کا صدور اور ان کی کیفیت، عالم کا حدوث و قدم حیات بعد الموت اور دوسرے الہیاتی اور مابعد الطبیعی مسائل کے بارہ میں انہوں نے اس وثوق و تحکم اس تفصیل و تدقیق سے بحث کی، جو صرف ماہر کیمیا، اپنے کیمیاوی تجربہ اور تحلیل و تجزیہ کے بعد کر سکتا ہے،

یہ امر بھی کچھ کم تعجب خیز نہیں کہ فلسفہ کی اس طویل زندگی میں ہر قسم کی آزادانہ تنقید کے باوجود بہت کم لوگوں نے اس غلط روی کا احساس کیا، اور ان کو اس اصولی غلطی کا تنبہ ہوا، اسی طرح فلسفہ کے اس عظیم الشان کتب خانہ میں شاذ و نادر ایسے فلاسفہ کے نام ملتے ہیں، جنھوں نے اس طریقِ کار کے خلاف صدائے احتجاج بلند[2] کی، اور اگر

---

[1] سقراط کا سن وفات ۳۹۹ ق م ہے اور فلسفہ کا وجود اس سے قبل ہو چکا تھا،

[2] امام غزالی رحمۃ اللہ عقل کے حدود سے بخوبی واقف ہیں، اور فلسفہ کی اسی بے بسی نے ان کو تصوف اور مشاہدۂ حق کی طرف مائل کیا، انھوں نے اپنی کتابوں میں جا بجا تصریح کی ہے کہ فلاسفہ کے الہیاتی علوم و مسائل بخلاف ان کے طبیعی و

صدیوں میں چند اشخاص نے یہ آواز بلند بھی کی تو اس نقار خانہ میں یہ صدائے طوطی سنی نہیں گئی، اور اس سے فلسفہ کے اس مشغلۂ باد پیمائی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا،

(بقیہ حاشیہ) ریاضی علوم کے محض تخمینات ہیں جن کی کوئی اساس نہیں "تہافت الفلاسفہ" میں لکھتے ہیں۔" وانھم یحکمون بظن وتخمین من غیر تحقیق و یقین" لیکن تعجب ہے کہ اسی کتاب میں جس کا موضوع فلاسفہ کے الہیاتی آراء و افکار کی تردید ہے، اسی علمی بے بنیادی کو اپنی تردید کا اصول قرار نہیں دیا، بلکہ اس کے تناقض و اختلاف اور ان کی عقلی دلائل کی کمزوری پر اس مخالفت کی بنا رکھی ہے

عربی فلسفہ کے دور میں دوسرا عالم جس نے اس نکتہ کو بخوبی سمجھا اور فلاسفہ کی اس علمی بے بضاعتی کو اس نے اچھی طرح محسوس کیا۔ ابن خلدون ہے، جو تنگ فنی اصطلاح میں کوئی مشہور ما بعد الطبیعی فلسفی تو نہیں ہے۔ مگر وہ حکیم ہے جو قدرت کی طرف سے سائنٹفک دماغ لے کر آیا تھا، اور جس کا ذہن سلیم کوئی ٹیڑھی اور فرضی چیز قبول نہیں کرتا، اس نے اپنے مشہور مقدمہ میں متعدد جگہ فلسفہ پر اسی اصول سے تنقید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو فلسفہ پر تبصرہ صد ۳-۷۴) عقل کی حدود سے بھی وہ واقف ہے، اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا کہ اس کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے۔

"اپنے ذہن کے اس دعوے پر بھی اعتماد نہ کرنا کہ وہ کائنات اور اسباب کائنات کا احاطہ کر سکتا ہے، اور پورے وجود کی تفصیل پر اس کو قدرت ہے، یاد رہے کہ صاحب ادراک کے نزدیک وجود اس کے ذاتی مدرکات کا نام ہے، وجود کو وہ ان میں منحصر پاتا ہے، اور اس کے باہر وہ وجود کو یقین نہیں کرتا، حالانکہ یہ بات حقیقت نفس الامری کے بالکل خلاف ہے، بہرے آدمی کے نزدیک وجود محسوسات اربعہ اور معقولات کے دائرہ کے باہر پایا نہیں جاتا، اس کے

مذہبی فلسفہ | ناانصافی ہوگی، اگر ہم اس موقع پر اس فلسفہ پر تنقید نہ کریں، جو فلسفہ کے مقابلہ میں مذہب کی حمایت کے لئے وجود میں آیا، لیکن وہ خود فلسفہ نہ تھا، وہی اس کا موضوع، وہی طریق بحث و استدلال اور یہی بنیادی فکر کہ ذات و صفات الٰہی اور ماوراء عقل مسائل کو عقل سے ثابت

(بقیہ حاشیہ) نزدیک مسموعات موجودات کی فہرست سے بالکل خارج ہوتے ہیں، نابینا کے نزدیک مرئیات کا عالم میں وجود ہی نہیں ہوتا، اگر ان معذوروں کو اپنے زمانہ کے معقول لوگوں اور ایک جم غفیر کے کہنے کا اعتبار نہ ہو تو وہ ان موجودات کے وجود کی کبھی تصدیق نہ کریں، وہ تصدیق کرتے بھی ہیں تو یہ ان کی فطرت کا تقاضا اور ان کے ادراک کی شہادت نہیں ہوتی، اگر بے زبان جانور اپنا خیال ظاہر کر سکتا اور بولتا تو ہم سنتے کہ وہ معقولات کا کلیتہً منکر ہے، اور اس کے نزدیک ان کا قطعاً وجود نہیں، اس بنا پر کیا عجب ہے کہ ایسے بہت سے مدرکات پائے جاتے ہوں جن کے ادراک کے لئے ہمارے پاس کوئی آلہ نہیں، اس لئے کہ ہمارے یہ ادراکات محدود اور حادث ہیں، اور خدا کی قدرت اور اس کی مخلوقات اس سے کہیں زیادہ وسیع، وجود کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ فراخ اور اللہ کا احاطہ سب کو شامل ہے بس اپنی قوت ادراک کی وسعت اور اپنے مدرکات کی تعداد پر ہمیشہ شبہہ کرو، اور شریعت الٰہی کی تعلیمات پر اعتماد رکھو اس لئے کہ اس کو تمہاری سعادت کا تم سے زیادہ خیال اور تمہارے منافع کا تم سے زیادہ علم ہے، اس کی منزل تمہاری منزل علم سے کہیں بلند اور اس کا دائرہ تمہاری عقل کے دائرہ سے کہیں زیادہ وسیع ہے، لیکن اس واقعہ سے عقل اور اس کے مدارک پر کوئی حرف نہیں آتا، عقل ایک صحیح ترازو ہے، اس کے فیصلے یقینی ہیں، جن میں کوئی جھوٹ نہیں، لیکن تم اس ترازو میں امور توحید، امور آخرت، حقیقت، نبوت، حقائق صفات الٰہی اور وہ

کر سکتے ہیں) غرض دونوں میں انتہائی اختلاف ومقابلہ کے باوجود بنیادی اتحاد موجود ہے، اس مذہبی فلسفہ سے ہماری مراد علم کلام ہے، جس نے ان الہیاتی اور مابعد الطبیعی مسائل میں اسی تحلیل وتدقیق سے کام لیا اور وہی موشگافیاں کیں جو فلسفہ نے کی تھیں، اگرچہ دونوں کے نتائج فکر اور مقاصد ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔

(بقیہ حاشیہ) تمام امور وحقائق جو ماوراء عقل ہیں، تول نہیں سکتے یہ لاحاصل کوشش ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لئے ہے، اس کو اسی ترازوں میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا، جو ناممکن ہے، اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے، اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے، جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی، وہ اللہ اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی، اس لئے کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرّہ ہے۔"

علماء اسلام میں امام ابن تیمیہ نے اس کی طرف اپنی کتابوں میں جابجا اشارات کئے ہیں، اور علم کلام کے مباحث میں اس حقیقت کو بار بار واضح کیا ہے، انھوں نے متکلمین اسلام کی اصولی اور فروعی غلطیوں کی بڑی جرأت وبے باکی کے ساتھ تردید کی۔

فلسفہ کے دورِ آخر میں حقیقت میں جس فلسفی نے اس خود فریبی کا پردہ چاک کیا اور فلسفہ کے اس خیالی طلسم پر سب سے کاری ضرب لگائی، وہ جرمنی کا نقاد عالم ایمینول کانٹ ہے، جس نے عقل کی حدود کی سب سے زیادہ جرأت اور وضاحت کے ساتھ تعیین کی اور جس کی تنقید عقل خالص (Critic of Pure Reason) نے (ڈاکٹر سر محمد اقبال کے الفاظ میں) روشن خیالوں کے کارناموں کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔
(خطبۂ مدراس ۱۲)

اس سلسلہ میں یہ واقعہ سامعین کے لئے دلچسپ ہوگا کہ جس وقت یہ مذہبی فلسفہ، فلسفہ کے مقابلہ میں میدان میں اترا اور اس نے فلسفہ ہی کے ہتھیاروں سے فلسفہ پر حملہ کیا، تو بعض فلاسفہ نے اس حملہ کا جواب اس ہتھیار سے دیا، جو دراصل فلسفہ کے مقابلہ میں استعمال کیا جا سکتا تھا، اور جو اس کے مقابلہ میں سب سے زیادہ کاری اور مؤثر ہتھیار تھا، اور جس کو "علماء کلام" غالباً جنگ کے انہماک اور سوال وجواب کے شور میں بالکل بھول گئے، یعنی عقل انسانی کی تحدید اور ذرائع علم کی "تنقید" یہ تعجب انگیز امر ہے کہ متکلمین کو فلسفہ کی زبان سے یہ سن کر بھی تنبیہ نہیں ہوا، اور اس اصولی بحث کو چھوڑ کر صدیوں تک فریقین جزئی مسائل اور ضمنی مباحث پر دست وگریبان رہے،

بہرحال بعض فلاسفہ کی زبان سے اس صدا کا بلند ہونا خواہ وہ کتنی پست ہو اور کتنی دیر کے بعد بلند ہوتی ہو بہت غنیمت ہے،

امام غزالی نے فلسفہ سے سیری اور بے اطمینانی کے بعد اس کی تردید میں ایک کتاب لکھی، جس کا نام "تہافت الفلاسفۃ" ہے جس نے فلاسفہ کے حلقوں میں کافی بے اطمینانی پیدا کی، قاضی ابن رشد نے (جس کی وفات امام غزالی کے ۹۰ برس بعد ہوئی) جو مسلمانوں کے دور میں فلسفہ یونان کا زبردست وکیل اور فلسفۂ ارسطو کا سب سے بڑا حامی ہے، اپنے گروہ کی طرف سے اس کتاب کا جواب "تہافت التہافت" کے نام سے لکھا ہے، اس میں ایک موقع پر امام غزالی کے ان فلسفیانہ مباحث اور تصریحات کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

وھذا کلہ عندی تعدٍ علی الشریعۃ میرے نزدیک (غزالی کی یہ ساری بحث

وفحص عما لم ناصر به شريعة لكون
قوى البشر مقصورة عن هذا، وذلك
ان ليس كل ما سكت عنه الشرع من
العلوم يجب ان يفحص عنه ويصرح
للجمهور بما ادى اليه النظر انه من
عقائد الشرع فانه يتولد عن ذلك
مثل هذا التخليط العظيم فينبغي
ان يمسك من هذه المعاني كل
ما سكت عنه الشرع ويعرف الجمهور
ان عقول الناس مقصورة عن الخوض
في هذه الاشياء"

تہافت التہافت ص۱۱

ولصریح) شریعت کی حدود سے متجاوز ہو
اور ایسے مسائل کی تحقیق ہے جن کا شریعت
نے حکم نہیں دیا اس لئے کہ قوائے انسانی
اس تحقیق سے عاجز ہیں، شریعت نے جن
باتوں سے سکوت کیا ان کی تحقیق کچھ ضرور
نہیں اور اپنے غور و فکر کے بعد آدمی جس نتیجہ پر
پہنچا ہے جمہور کے لئے یہ تصریح کہ وہ شریعت
کے عقائد میں سے ہے کچھ مناسب نہیں اس سے
زبردست خرابی اور انتشار پیدا ہوتا ہے پس
جن مسائل و مضامین سے شریعت نے سکوت
کیا، ان سے سکوت کرنا چاہیئے اور جمہور کو بتلا
دینا چاہیئے کہ عقول انسانی ان مسائل میں غور
کرنے سے عاجز ہیں،

متکلمین کی تردید میں اس نے جو کتاب "الکشف عن مناہج الادلہ
فی عقائد الملۃ" کے نام سے لکھی ہے، ——— اور جس میں علم کلام کے
طرز استدلال کے مقابلہ میں بڑی قوت کے ساتھ قرآنی استدلال کی قوت
اور برتری کو ثابت کیا ہے، اور جو اس کے سلامت فہم کا اچھا نمونہ ہے، جابجا
ان مسائل و امور کے پوری طرح سمجھنے سے "جمہور" کی بے بسی کا اظہار
کیا ہے،

ہمیں ابن رشد کی اس رائے سے کلیۃً اتفاق ہے کہ "انسانوں کے
قویٰ اور ان کی عقلیں ان مسائل کی تحقیق اور ان میں غور و فکر کرنے سے

عاجز ہیں، لیکن ہم فلاسفہ کو انسان ہی سمجھتے ہیں، اور ہمارے نزدیک افلاطون، وارسطو؟ فارابی، و ابن سینا، اور خود ابن رشد نوع انسانی ہی کے افراد تھے،

ان مذہبی فلاسفہ میں سب سے زیادہ "روشن خیال" اور عقل پرست معتزلہ کا گروہ تھا جنھوں نے خدا کو انسان پر اور عالم آخرت کو دنیا پر کامل طور پر قیاس کر کے انسان کے احکام اور اس دنیا کے قوانین کی رُو سے آزادانہ بحث کی اور عقل کے حدود کو مطلق نظر انداز کر دیا، غالباً عقلیت کے دور اول میں یہ خامی رہا کرتی ہے، ایک معاصر عالم فلسفہ اور سلیم الفہم ناقد اور مورخ[۱] جو خود معتزلہ کا مداح اور ان کی علمی خدمات کا معترف ہے ان کی اس کمزوری پر منصفانہ اظہار خیال کرتا ہے:-

"غالباً ان کا کمزور پوائنٹ یہ ہے کہ انھوں نے غائب کو موجود پر قیاس کرنے میں حد سے تجاوز کیا، انھوں نے اللہ تعالیٰ کو پورے طور پر انسان پر قیاس کیا، اور اس کو اس عالم کے قوانین کا تابع بنا دیا، انھوں نے اللہ کے ذمہ عدل کو اسی طرح واجب قرار دیا، جیسا کہ انسان عدل کا تصور رکھتا ہے، اور جیسا عدل کا دنیا وی نظام ہوتا ہے، انھوں نے اس کو نظر انداز کر دیا، کہ عدل خود دنیا میں ایک نسبی چیز ہے، جس میں زمانہ کے تغیر کے ساتھ تغیر ہوتا رہتا ہے، قرون وسطیٰ میں جو عدل سمجھا ہوتا تھا، آج وہ ظلم سمجھا جائے یہ تو خود اس دنیا کا حال ہے، چہ جائیکہ ہم عالم انسانی سے

[۱] استاذ احمد امین، عمید کلیۃ الآداب جامعہ مصریہ،

عالم الٰہی کی طرف منتقل ہو جائیں، اسی طرح حسن و قبح مناسب اور مناسب تر (صلاح و اصلح) کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی نظر جب محدود ہوتی ہے، تو اشیاء کے متعلق اس کا فیصلہ دوسرا ہوتا ہے، جب اس کی نظر وسیع ہو جاتی ہے تو اس کا فیصلہ کچھ اور ہوتا ہے۔[1]

اسی طرح ان کی یہ بحث کہ صفات الٰہی عین ذات ہیں یا غیر ذات، ان کے تمام دلائل غائب کے حاضر پر قیاس مبنی ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ دونوں میں مشابہت کی کوئی چیز نہیں، انہوں نے فرض کر لیا کہ عینیت و غیریت، زمانیت و مکانیت سببیت و مسببیت، وغیرہ ہر موجود کے لئے لازم ہیں۔ میری رائے میں یہ بات بالکل غلط ہے، اس لئے کہ درحقیقت یہ انسانی قوانین ہیں، یا اگر ہم ذرا رعایت سے کام لیں تو ہم کہیں گے کہ یہ ہمارے عالم کے قوانین ہیں، ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ قوانین ہمارے اس عالم کے علاوہ دوسرے عالم پر بھی منطبق ہوتے ہیں یا منطبق نہیں ہوتے، تو اللہ کے بارے میں حکم لگانا اس اعتقاد پر کہ یہ انسانوں کے عام قوانین ہیں، ایک جسارت ہے، جس کو وہ عقل گوارا نہیں کرتی، جو اپنی اندازہ دان ہے، اور جو اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتی۔ اور یہ صرف معتزلہ ہی کا عیب نہیں بلکہ یہ ان کے بعد کے آنے والے علماء کلام کا بھی عیب ہے۔[2]"

---

[1] ضحی الاسلام ج ۳ ص ۰۷ المعتزلہ۔

اشراق | عقلیت و فلسفہ کے مقابلہ میں ایک قدیم تحریک اشراق و روحانیت ہے، جس کے قدیم زمانہ میں مصر و ہندوستان بہت بڑے مرکز تھے، مشرقی مذاہب کے اثر اور مصریوں کے اختلاط کی وجہ سے حد سے بڑھی ہوئی عقل پرستی کے خلاف ایک طبعی ردّ عمل کے طور پر یہ تحریک یونان و روم میں بھی مقبول ہوئی، لیکن اس کا سب سے بڑا مرکز جس نے اس کو بڑا فروغ دیا، اسکندریہ تھا، جو مشرقی و مغربی عقلیت و مذاہب کا سب سے بڑا سنگم اور خود مصر میں واقع تھا،

اس تحریک و نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ حق اور یقین کی دریافت کے لئے، حواس، عقل، علم، قیاس، و استقرا، برہان و استدلال، تحلیل و تنقید قطعاً مفید نہیں، بلکہ مضر ہے، صداقت و حقیقت کے یقینی حصول کے لئے مشاہدہ شرط ہے، اور یہ مشاہدہ صرف نور باطن، صفائی نفس اور ایک ایسے اندرونی حاسّہ کو بیدار کر دینے سے ممکن ہے، جو روحانیت اور ماورا طبیعیات کا اسی طرح ادراک کرتا ہے، جس طرح یہ ظاہری آنکھیں ظاہری چیزوں کا ادراک کرتی ہیں، اور یہ حاسّہ اسی وقت بیدار ہو سکتا ہے، جب مادیت کو بالکل فنا اور حواس ظاہری کو مردہ کر دیا جائے حقائق کی تحصیل اسی خالص و بے آمیز عقل (حکمت اشراق) اور اسی اندرونی روشنی (نور باطن) سے ممکن ہے، جو ریاضتوں، نفس کشی، اور مراقبہ و تفکر سے پیدا ہوتی ہے،

درحقیقت فلسفہ اور اشراق میں اسی طرح ایک ہی روح اور ایک ہی ذہنیت کام کرتی ہے، جس طرح فلسفہ اور علم کلام میں دونوں حقیقت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور دونوں اس کا یقین رکھتے ہیں کہ

کہ ہم از خود اپنی کوشش سے اس کو معلوم کر سکتے ہیں، بلکہ در اصل حواس فلسفہ، اور اشراق سب کی منزل ایک ہے، راہیں مختلف ہیں، ایک زمین پر چل کر وہاں تک پہنچنا چاہتا ہے، ایک ہوا میں اڑ کر اور ایک کسی مخفی زمین دوز راستہ سے،

اس میں کوئی شک نہیں کہ مادیات سے پرے ایک ایسی اقلیم ہے، جہاں حواس ظاہری کا گزر نہیں، اور اس میں شبہہ نہیں کہ انسان کے پاس ایسی باطنی طاقت، اور اندرونی حاسہ ہے، جس کو اگر وہ بیدار کرے اور ترقی دے تو اس اقلیم کے بہت سے عجائبات اور موجودات کا ادراک کر سکتا ہے، جن کا ادراک کسی حاسہ ظاہری سے ممکن نہیں،

لیکن اس کا حاصل کیا ہوا؟ ان حواس ظاہری کے علاوہ ایک حاسہ باطنی کا ثبوت اور ایک ایسے عالم کا ثبوت جہاں کے حقائق و اسرار کا ادراک حواس خمسہ سے ممکن نہیں،

ہم کہتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ مزید حاسہ موجود ہے بلکہ ممکن ہے کہ ایسے اور دوسرے حواس بھی ہوں، اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ اس عالم کے علاوہ اور دوسری اقلیمیں بھی ہوں، جن کے علم و ادراک کے لئے انھی سے مناسبت رکھنے والی قوتیں درکار ہوں،

لیکن یہ بہرحال ایک انسانی حاسہ ہی ہے، اسی طرح کمزور اور محدود جس طرح دوسرے حواس، اسی طرح خطا پذیر اور متاثر ہونے والا، جس طرح انسان کی ساری طاقتیں، اور انکشاف علم کے سارے ذرائع، اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ حاسہ محدود اور خطا پذیر نہیں ہے، اس کے محسوسات بلکہ مشاہدات میں غلطی اور خود فریبی نہیں ہوتی،

اگر ایسا ہوتا تو اس کے نتائج میں تعارض وتناقض نہ ہوتا، اس میں شک واحتمال نہ پیدا ہوتا، اور بڑے بڑے اہم مسائل میں لغزش اور غلط روی ممکن نہ ہوتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس حاسہ کے محسوسات اور اس علم کی تحقیقات میں اس سے زائد تعارض واختلاف ہے، جتنا حواس ظاہری کے محسوسات میں واقع ہوتا ہے، اور اہل کشف و اشراق کے علوم وتحقیقات میں اتنا تناقض ہے، جس کی نظیر شاذ صرف فلسفہ میں مل سکے،

ایک اشراقیت جدیدہ ہی کو لیجئے، اس کے ائمہ کے عقائد مذہبی اور اعمال میں سخت اختلاف ہے، بانیٔ اشراقیت جدیدہ فلاطینس (Plotinus) اپنے زمانہ کے نظام مذہبی وعبادات کا قائل نہیں اور آزاد مشرب فلسفی ہے، جو صرف تفکر ومراقبہ کا قائل ہے، لیکن اس کا شاگرد رشید پارفری (Porphyry) ایک زاہد خشک صوفی ہے،

فلاطینس انسانی روح کے جانوروں کے جون میں ظاہر ہونے کا قائل ہے، لیکن پارفری اس کا منکر[1] ہے، اس سلسلہ کا تیسرا بڑا امام پراکلس (Proclus) پورے مصری رسوم دینی اور مذہبی تفریحات کا پابند تھا، اور دن میں تین دفعہ سورج کی پرستش کرتا تھا۔ اس کا مذہب مختلف اعتقادات ومذاہب کا معجون مرکب تھا، اور یہ سب اہل مشاہدہ ویقین تھے۔

پھر اسی اشراقیت جدیدہ نے جس نے پارفری کی قیادت میں مسیحیت کی مخالفت کی تھی، جولین (Jullian) کے زمانہ میں رومی بت پرستی و

---

[1] مذہب واخلاق کا انسائیکلو پیڈیا (Neo-Platonnism)[2] حوالہ سابق

جاہلیت (Paganism) کے احیاء کی تحریک میں جولین کا بہت بڑا ساتھ دیا، اور بت پرستی اور مشرکانہ جاہلیت کی بڑی تائید کی[۵۱] اور اس زمانہ کے اشراقیوں کی روشن ضمیری اور نور باطن نے ان کو اس غیر معقول حرکت سے باز نہ رکھا، بلکہ مذاہب و اخلاق کے دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار کے الفاظ میں اشراقیت جدیدہ نے اپنی قسمت جاہلیت کے اس ڈوبتے ہوئے جہاز کے حوالہ کردی[۵۲]

---

[۵۱] مذہب و اخلاق کا انسائیکلوپیڈیا (Neo-Platonism)

[۵۲] اس موقع پر یہ حقیقت بھی قابل اظہار ہے کہ مسلمان صوفیوں میں بھی کشف و اشراق نے بڑی اہمیت اور قطعیت حاصل کرلی تھی، اُن کے یہاں بھی آپ مشاہدۂ حق اور حصولِ یقین بطریق کشف کی کوششیں اور رجحانات پائیں گے، حالانکہ ان کے لئے اس کا ذریعہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کا عطا کیا ہوا علم تھا شیخ اکبر شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے امام فخر الدین رازی کو جو خط لکھا ہے۔ اس میں یہ الفاظ آئے ہیں:-

یجل اللہ سبحانہ ان یعرفہ العقل بنظرہ و فکرہ فینبغی للعاقل ان یخلی قلبہ عن الفکر اذا اراد معرفۃ اللہ من حیث المشاھدۃ	اللہ سبحانہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کو عقل اپنے غور و فکر سے معلوم کرے پس عاقل کو چاہیئے کہ وہ اپنے قلب کو فکر سے خالی کرے اگر وہ اللہ کی معرفت مشاہدہ کے طور پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔
آگے چل کر لکھتے ہیں:-	
فارفع الھمۃ فی ان لا تاخذ علما الا عند سبحانہ علی الکشف	اس کے لئے اپنی ہمت بلند کرو کہ علم صرف اللہ سے بطریق کشف حاصل کرو۔

مسلمان اہل اشراق و کشف کے کشوف و مشاہدات میں بھی غلطی کا احتمال اور اختلاف و تعارض ہے، ایک صاحب کشف، دوسرے صاحب کشف سے اختلاف کرتا ہے، اس کے کشف کو امر واقعی کے غیر مطابق بتلاتا ہے، کبھی اس کو سکر اور غلبۂ حال پر محمول کرتا ہے، اور کبھی کہتا ہے کہ یہ مقام ایک عارضی اور ابتدائی مقام ہے، جس سے سالک گزرتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے، اور اس وقت اس کو پہلے مقام کے کشف و مشاہدات کے خلاف نظر آتا ہے،

فان عند المحققین ان لا فاعل الا الله فاذن لا یاخذون الا عن الله لکن کشفا لا عقلا۔ وما فاز اهل الهمة الا بالوصول الی عین الیقین انفة بقاء مع علم الیقین۔ (ثلاث رسائل)

اس لئے کہ محققین کا مسلک ہے کہ اللہ کے سوا کوئی فاعل نہیں اس لئے وہ اللہ ہی سے اخذ کرتے ہیں لیکن بطریق کشف نہ بطریق عقل، اور محض اسی عین الیقین تک پہنچنے کی وجہ سے اہل ہمت کامیاب ہوئے ان کی ہمت و غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ علم الیقین پر قانع رہیں۔

امام غزالی کو بھی تلاش حق و یقین کے سفر میں جس منزل پر پہنچ کر اطمینان ہوا وہ جیسا کہ المنقذ عن الضلال میں لکھتے ہیں۔ یہی بات تھی کہ تصوف کے ذریعہ حقیقت کا مشاہدہ اور عین الیقین حاصل ہوتا ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں "واعلم انه هذا هو الحق الیقین عند العلماء الراسخین فی العلم اعنی انهم ادرکوا بمشاهدة من الباطن ومشاهدة الباطن اقوی واجلی من مشاهدة الابصار وترقوا فیه عن حد التقلید الی الاستبصار"

(بحوالہ کتاب النبوات امام ابن تیمیہ رح)

اہل اشراق وکشف میں شیخ اکبر شیخ محی الدین بن عربیؒ کا جو درجہ ہے، اہل علم اس سے واقف ہیں، ان کے متعلق اس فن کے دوسرے امام اور صاحب کشف و مقامات حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں، "عجائب کاروبار است شیخ محی الدینؒ از مقبولان در نظر می آید و اکثر علوم او که مخالف آرائے اہل حق اند خطا و ناصواب ظاہر می شود" (مکتوبات ج ۱ مکتوب ۲۶۶)
دوسری جگہ لکھتے ہیں "اکثر معارف کشفیہ او که از علوم اہل سنت جدا افتادہ است از صواب دور است"

مسئلہ وحدت الوجود میں شیخ اکبر اور شیخ مجدد کا جو اختلاف ہے وہ سب کو معلوم ہے، اور دونوں بزرگوں کی تحقیق ذاتی مشاہدہ اور کشف پر مبنی ہے، مجدد صاحب نے اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور خود اپنے متعلق لکھا ہے کہ وہ دونوں پہلے اسی مقام پر تھے کہ توحید وجودی کا ان پر غلبہ تھا، اور مقدمات کشفیہ اور دلائل یقینی سے اس کی تائید ہوتی تھی، لیکن جب وہ خدا کی توفیق سے اس مقام سے بلند ہوئے تو انھوں نے اس سے رجوع کیا، فرماتے ہیں :-

"معرفت پناہی قبلہ گاہی حضرت خواجہ ما قدس اللہ تعالیٰ سرہ چندگاہ مشرب توحید وجودی داشتند و در رسائل و مکتوبات خود آنرا اظہار می فرمودند اما آخر کار حق سبحانہ وتعالیٰ بکمال عنایت خویش از آن مقام ترقی ارزانی فرمودہ بشاہراہ انداختہ از مضیق این معرفت خلاصی داد میاں عبدالحق که یکے از مخلصان ایشانند نقل کردند که

پیش از مرض موت ایشان بیک ہفتہ فرمودہ اند کہ مرا
عین یقین معلوم شد کہ توحید کوچہ ایست تنگ، شاہراہ
دیگر است پیش ازین ہم میدانستم اما اکنون یقینے دیگر
حاصل گشت "

آگے چل کر اسی خط میں اپنے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

" و این حقیر نیز چند گاہ در حضرت ایشان این مشرب
توحید دانست و مقدمات کشفیہ در تائید این طریق بسیار
لائح گشتہ بودند اما عنایت خداوندی جل سلطانہ ازان
مقام گزرانیدہ بمقامے کہ خواست مشرف گردانید "
(مکتوبات ج ا مکتوب ۴۳)

عقل اور علوم روحانی میں غلطی کا جو امکان ہے، اس کو ایک مکتوب
میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

" سوال، عقل فی حد ذاتہ ہر چند در احکام الٰہی جل شانہٗ
ناقص و ناتمام است اما چرا نتواند کہ بعد از حصول تصفیہ
و تزکیہ عقل را مناسبتے واتصال غیر تکییف بمرتبہ وجوب
تعالیٰ و تقدس پیدا شود کہ بسبب آن مناسبت و اتصال
احکام از این جا اخذ نماید و حاجت بعثت کہ بتوسط ملک
است نشود "

یہ مذہب اشراق کی پوری پوری ترجمانی اور وکالت ہے، اب اس کا
جواب اس شخص کی زبان سے سنئے جو اس کوچہ سے بخوبی واقف ہے
اور جس کو اس " تصفیہ " اور " تزکیہ " کا عملی تجربہ ہے:-

"جواب، عقل ہر چند آن مناسبت و اتصال پیدا کند اما تعلقی
کہ باین پیکر ہیولانی داشت بالکل زائل نگردد و تجرد تمام پیدا
نکند، پس واہمہ ہمیشہ دامن گیر او بود و متخیلہ ہرگز خیال او را
نگزارد و قوت غضبیہ و شہویہ ہموارہ مصاحب او بودند و رذیلہ
حرص و شرہ ہمہ وقت ندیم او باشند، سہو و نسیان کہ از
لوازم نوع انسان است از و منفک نشوند، و خطا و غلط کہ از
خواص این نشأۃ اند از وے جدا نباشند، پس عقل شایان اعتماد نبود
و احکام ماخوذہ او از سلطان وہم تصرف و خیال مصئون نبوند
و از شائبہ نسیان و مظنہ خطا محفوظ نباشند، بخلاف ملک کہ
ازین اوصاف پاک است و ازین رذائل مبرا، پس ناچار
شایان اعتماد بود و احکام ماخوذہ او از شائبہ وہم و خیال و مظنہ
نسیان و خطا مصئون باشند، و در بعضے اوقات محسوس
میگردد کہ علومیکہ بہ تلقی روحانی اخذ نمودہ است و در اثنائے
تبلیغ آن بقوتی و حواس بعضے از مقدمات مسلمہ غیر صادقہ کہ
از راہ وہم و خیال یا غیر آن حاصل شدہ اند بے اختیار بآن
علوم منضم می شود بحیثیتے کہ دران وقت اصلا تمیز نتواند کرد
و در ثانی الحال گاہ بود کہ علم آن تمیز دہند و گاہ نہ دہند پس
لاجرم آن علوم بواسطہ خلط آن مقدمات ہیئتہ کذب پیدا می
کنند و از اعتماد می برآیند" (مکتوبات ج ۱ مکتوب ۲۶۶)

درحقیقت جیسا کہ حضرت مجدد نے لکھا ہے، انسان کی قوت عقلی ہو یا
قوت روحانی، کوئی قوت اس کے حواس اور خارجی موثرات کے اثر سے

بالکلیہ آزاد نہیں، اس کے ماحول، اس کے افکار و عقائد، اور ان مقدمات کا جو اس کے یا اس کی جماعت اور قوم کے نزدیک مسلم ہیں، اس کی تحقیقات اور مشاہدات پر ضرور اثر پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اشراقیوں کو اپنے کشف و مشاہدہ میں بہت سے یونانی اور مصری اوہام و خیالات کی تائید نظر آتی تھی، اور مسلمان اشراقیوں کو فلسفہ یونان کے بہت سے مفروضات حقیقت بن کر نظر آنے لگے، وہ "عقول" کا مشاہدہ کرنے لگے، اور عقل اول سے بعض اوقات ان کا مکالمہ اور مصافحہ ہوتا تھا۔

پھر اگر اس حاسہ کی قوت پورے طور پر تسلیم بھی کر لی جائے تو سوال یہ ہے کہ اس حاسہ کے محسوسات کیا ہیں، اس سے کن چیزوں کا ادراک ہو سکتا ہے، بیش برین نیست کہ عالم ارواح کے اسرار و عجائبات کی سیر ہوتی ہے، اور آدمی اس کی وسیع فضاؤں میں آزادانہ پرواز کرتا ہے، ایک پورا عالم اس کے ایک نئے حاسہ پر منکشف ہوتا ہے اور اس کو کچھ صورتیں نظر آتی ہیں، کچھ رنگ نظر آتے ہیں، اس سے اس کو خدا کی قدرت اور کائنات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن بقول حضرت مجدد یہ سب لہو ولعب میں داخل ہے، وہ فرماتے ہیں:-

> کہ "جتنی" صور و انوار کیا کم ہیں کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ غیبی صور و انوار کی ہوس کرے، یہ صور و انوار اور وہ صور و انوار دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کی صنعت کا نمونہ ہیں، آفتاب و ماہتاب کی روشنی کو جو اس عالم شہادت میں

پائی جاتی ہے، ان انوار پر جن کو وہ عالم مثال میں دیکھتے ہیں، کئی وجوہ سے ترجیح حاصل ہے، لیکن چونکہ یہ دید دائمی ہے، اور عوام وخواص سب اس میں شریک ہیں اس لئے اس کی قدر نہیں ہوتی اور انوار غیبی کی دید کی ہوس کرتے ہیں ع آبے کہ رود پیش درت تیرہ نماید"
(مکتوبات ج ا مکتوب ۲۰۹)

اس اشراق و نور باطن اور ان مکاشفات ومشاہدات سے وہ اصولی اور مرکزی سوالات کہاں حل ہوتے ہیں، جن کے جواب سے حواس وعقل اور فلسفہ قاصر رہا، خالق کے منشاء کا تفصیلی علم، اخلاق واعمال کا متعین نظام ان کی دسترس سے بھی اسی طرح باہر ہے، جس طرح عقل وفلسفہ کی سرحد سے، یہی وجہ ہے کہ اشراقی اپنے اپنے وقت اور اپنے زمانہ کے کسی نہ کسی روحانی اور اخلاقی نظام سے منسلک رہے اور کوئی مفصل ومثبت مذہبی نظام نہ پیدا کر سکے،

مسلمانوں میں کشف واشراق میں شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا جو بلند مقام ہے، وہ سب کو تسلیم ہے، لیکن باین ہمہ وہ ظاہری مسلک رکھتے تھے اور ان کے اتباع سنت اور پیروی شریعت کا حال واقفان حال سے پوشیدہ نہیں!

قبل اس کے کہ میں ان مسائل کو یقینی طور پر حل کرنے کے آخری ماخذ کا ذکر کروں، جو میرے نزدیک وحی اور تنزیل ہے، اور جس کا ذریعہ نبوت ورسالت ہے، اور اس طرز زندگی کا

خاکہ آپ کے سامنے پیش کروں، جو نبوت و رسالت کی پیروی اور ان کی تعلیمات کے اتباع سے وجود میں آتی ہے، اور ان کے اصول و اساس پر دنیا میں قائم ہوتی ہے، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان تمدنوں اور نظام حیات کا ذکر کر دوں جو محض حسیات یا عقلیات یا ترقی کے افکار و نظریات پر قائم ہوتا ہے۔

دنیا کے تین اہم تمدن اور نظام حیات

حسی تمدن | دنیا کا ایک قدیم ترین تمدن اور انسانوں کا مقبول ترین تمدن وہ ہے، جس کی بنیاد حواس اور ان کے نتائج پر ہوتی ہے، انسان کے لئے اس بنیاد سے زیادہ آسان اور عام بنیاد، اس سے زیادہ سہل تجزیہ، اس سے زیادہ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں آسانی کے ساتھ وقوع میں آجانے والا اور اس سے زیادہ انسان کی خواہشوں کو تسکین دینے والا کوئی نظام نہیں، اس میں کسی گہرائی، کسی عقلی ترقی، اور کسی ایثار و قربانی کی ضرورت نہیں، اس لئے عام انسانوں کے لئے یہ سب سے زیادہ کشش رکھتا ہے، اور انسانی تہذیب کی تاریخ میں اس سے زیادہ کسی اور نظام حیات نے بار بار فتح نہیں پائی،

حسیات پر جس تمدن کی بنیاد ہوگی، اس کی فطری خصوصیات لازماً حسب ذیل ہوں گی:-

(۱) ہر ایسی چیز کا انکار یا اس کی بے وقعتی جو حواس کے تحت

میں نہ آسکے، اورجس کی تصدیق مجرّد حواس ظاہری سے نہ ہوتی ہو۔ اس اصول کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی بن دیکھی ذات اور طاقت کا یقین پیدا نہیں ہوگا، جو حواس سے بالاتر ہے اورجب اس کا یقین ہی پیدا نہ ہو تو اس کا لحاظ اور خوف یا اس سے امید پیدا ہی نہیں ہوسکتی اگر مشرکانہ اثرات اور اوہام کی وجہ سے (جو حواس پرستی کے دور میں حسیّت اور مادیّت کے ساتھ ساتھ اکثر کارفرما ہوتے ہیں) متعدد آلہیہ کا اعتقاد موجود بھی ہوتا ہے، تو اس کا ذہن و دماغ اور عملی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور اس سے اس تمدّن کی حسیّت، زندگی کے حسیّ رُجحان، اخلاق و اعمال کی حسیّ بنیاد میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوتا،

جب کسی چیز کے ثبوت کے لئے حواس کی شہادت ضروری قرار پائے تو پھر ایسی چیز کے یقین، اور زندگی میں اس کے لحاظ کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے، جس کے وجود کی حواس شہادت نہیں دیتے، اس لئے اس حسیّ استدلال کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی اور اس عالم کے علاوہ کسی اور عالم کے وجود کا مطلق انکار کیا جائے، جس کو حواس کے علاوہ کسی اور دلیل سے ثابت کیا جاتا ہے یا جس کو ماننے کے لئے محسوسات کے علاوہ کسی اور چیز کا وجود ماننا پڑتا ہے، اس زندگی کے علاوہ دوسری زندگی کے وجود کے انکار کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہی زندگی منتہائے نظر بن جاتی ہے، کسی آئندہ محاسبہ کا ڈر باقی نہیں رہتا، طبیعت میں وہ آزادی اور بے قیدی پیدا ہو جاتی ہے، جس پر عارضی قانونی

حدود اثر انداز نہیں ہو سکتے، اور چونکہ زندگی بعد موت کی طرح حواس کی بنا پر موت اور اس زندگی کے خاتمہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور یہ واقعہ ہر طرح حواس کی ناقابل تردید اور متواتر شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے، اور اس کا دن رات مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، اس لئے حیات بعد الموت کے انکار اور موت کے اقرار کا لازمی اور طبعی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس زندگی سے پورے طور پر فائدہ اٹھانے اور اس میں عیش و لطف کرنے کا عقلی و طبعی تقاضا پیدا ہوتا ہے، جو اس طریق استدلال اور اس ترتیب مقدمات کے ساتھ ہر طرح معقول و حق بجانب ہے،

اسی حسی تمدن کے ابتدائی دور میں (اور بعض اوقات ترقی یافتہ دور میں بھی) اخلاق کے بجائے عمل کے محرک، اغراض مصالح اور ذاتی منافع ہوتے ہیں، اجتماعی زندگی کی وجہ سے جب اس تمدن میں ترقی ہوتی ہے تو اخلاق کا لفظ بھی اس کی زبان میں پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کی بنیاد لذتی فلسفہ پر ہوتی ہے، یعنی اخلاق کا معیار یہ ہے کہ ان سے انسان کو لذت یا حظ نفس حاصل ہو، پھر جب کچھ اور ترقی ہوتی ہے، تو لذتیت کے بجائے ان کی بنیاد افادیت بن جاتی ہے، یعنی اخلاق کا معیار یہ ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ افراد کو فائدہ پہنچے، (لیکن اس فائدہ کا معیار مقرر کرنے میں بھی عموماً حسی نقطۂ نظر اور لذتی ذہنیت کام کرتی ہے)

(۲) اس مادہ پرستانہ اور حسی تمدن کی دوسری فطری خصوصیت (جو درحقیقت پہلی خصوصیت ہی کا ضمیمہ ہے) یہ ہے کہ محسوسات میں بھی غرض کے مقابلہ میں نقد، آجل (بدیہ) کے مقابلہ میں عاجل

(جامد) کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے کہ وہ حواس سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اور اس میں عقلیت، اور قوت فکریہ کے استعمال کی ضرورت نسبتاً کم ہوتی ہے، اس لئے اس تمدن یا اس آئین زندگی کے تمام مظاہر و اشکال میں ایک خاص قسم کی سطحیت، وظاہریت اور پورے نظام زندگی میں نفع اندوز ذہنیت اور خود غرضی، اور انفرادیت کام کرتی ہے،

اس مادہ پرستانہ ذہنیت اور سیرت کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اصول و اخلاق اور عقائد پر منافع اور مصالح کو ترجیح دی جاتی ہے، بڑے بڑے اصول کو، اہم سے اہم عقیدہ، اور بہتر سے بہتر اخلاقی تعلیم کو حقیر سے حقیر فائدہ اور ادنیٰ سے ادنیٰ تر مصلحت پر ہر وقت قربان کیا جا سکتا ہے، چنانچہ اس ذہنیت اور سیرت کے لوگ (خواہ وہ کسی مذہبی جماعت میں پائے جائیں، اور بہت سے مذہبی فرائض و شعائر کے پابند ہوں) ہر قسم کے نظام کے ساتھ تعاون کر لینے کے لئے تیار رہتے ہیں، ان میں ہر چلتی ہوئی مشنری میں فٹ ہو جانے کی عجیب و غریب صلاحیت ہوتی ہے، اور ہر سانچہ میں ڈھل جانے کی ایسی قابلیت ہوتی ہے، جو شاید موم میں بھی نہ ہو، وہ ہر نظام کا کل پرزہ بن سکتے ہیں۔ ہر جھنڈے کے نیچے لڑ سکتے ہیں، اور ہر مقصد کے لئے جان دے سکتے ہیں اور لے سکتے ہیں، بشرطیکہ اس میں ان کا کچھ بھی ذاتی نفع ہو خواہ اس کی مقدار کتنی ہی کم ہو اور خواہ وہ محض موہوم اور بالکل مشتبہ ہو یہ فلسفہ کسی ذاتی فلسفہ کی حدود سے نکل کر قومی فلسفہ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے، اور دونوں حالتوں میں اپنے لئے اور قوم کے لئے اس

کی دعوت یہی ہوتی ہے کہ "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی"
اور ع زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

(۳) اس حسّی تمدّن اور نظام میں چونکہ علم کے ماخذ صرف حواس ہوتے ہیں اور حواس جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے انسان کے متعلق اس سے زیادہ اور کوئی شہادت نہیں دیتے کہ وہ صرف ایک "بولنے والا جانور" (حیوانِ ناطق) ہے، اس لئے اس کی سلسلۂ تاریخ کے گم شدہ حلقے دریافت کرنے کے لئے اور اس کی زندگی کے احکام و ضوابط معلوم کرنے کے لئے حیوانوں ہی کی طرف رجوع کرنے کا رجحان پیدا ہوتا ہے، اور انسان کی زندگی کا ایسا نظام تجویز کیا جاتا ہے، جو اپنی روح اور مقاصد میں خالص حیوانی زندگی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتا۔

میرے بار بار حسّی اور حیوانی کے الفاظ استعمال کرنے سے آپ کو غلط فہمی نہ ہو کہ حسّی تمدّن جنگل کی ایک زندگی ہے، جس میں شہریت اور شائستگی مفقود ہوتی ہے، دراصل میں اس کو اس کے ماخذ اور روح کے اعتبار سے حسّی کہہ رہا ہوں، ورنہ شہری زندگی کے اعتبار سے یہ دنیا کا ترقی یافتہ ترین تمدّن ہے، زندگی کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور پُر راحت بنانے کے اعتبار سے اور مادی زندگی کے تنوعات اور ترقیات اور اس بارہ میں ہر قسم کی تدقیق اور ایجادات کے اعتبار سے الہامی تمدّن اور بعض اوقات عقلی تمدّن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس کا جتنا حق اس تمدّن کو ہے، کسی دوسرے تمدّن کو نہیں ہے اس لئے کہ اس کا سرمایہ ہی یہی ہے،

یہ تمدّن دنیا میں سب سے زیادہ پھلا پھولا، اس نے اپنی

صنعتوں سے زمین کو گلزار اور دلچسپیوں سے زندگی کو باغ بہار بنا دیا۔ پہاڑوں کے جگر سے پانی کی نہریں بہائیں، اور پتھر کے سینہ پر پھول کھلائے، شاندار یادگاریں قائم کیں، پُر شکوہ عمارتیں تعمیر کیں، اور انسانی صنعت اور ذکاوت کے ایسے نادر نمونے دنیا میں پیش کئے کہ اس پر حکیمانہ اور عقلی تمدن ہونے کا دھوکا ہونے لگا، لیکن درحقیقت اس نے عقل کو اپنے حسّی اور مادّی فوائد کے لئے مسخر کیا تھا۔

جزیرۃ العرب میں عہد قدیم میں، عاد، کے نام کی ایک قوم ہوئی ہے، جو اپنے زمانہ میں حسّی اور مادّی تمدّن کی بڑی نمائندہ تھی ان کا تمدّن اس زمانہ کا بڑا ترقی یافتہ تمدن تھا، اور ان میں حسّی تمدّن کی اکثر خصوصیات پائی جاتی تھیں، ان کی زندگی کو دیکھ کر نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ یہ ایک ناخداشناس اور منکرِ آخرت قوم کی زندگی ہے، وہ بے ضرورت محض لطف و تفریح یا نام و نمود کے لئے بڑی بڑی عمارتیں اور یادگاریں تعمیر کرتے تھے، جن کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے بنانے والے آخرت کو بھولے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کو ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے، ان کی جنگوں اور دار و گیر سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے سوا کسی بلند و بالا طاقت کا یقین نہیں رکھتے ان کے پیغمبر نے ان کو اس طرح مخاطب کیا۔

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۝ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ وَإِذَا بَطَشْتُمْ

کیا بناتے ہو ہر بلند جگہ پر ایک نشان محض کھیل تماشہ کے لئے بیکار اور ایسی کاریگریاں دکھاتے ہو جیسے کہ تم کو ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر ہاتھ

بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِيۡنَ (شعرا ع ۷) | ڈالتے ہو تو تمہاری گرفت زبردست اور ظالمانہ ہوتی ہے۔

ان کی جانشین قوم ثمود کے بھی دنیا کی زندگی میں انہماک اور اس میں ان کے سکون و اطمینان، دوسری زندگی سے غفلت اور اس کے معاملہ میں بے سروسامانی کو دیکھ کر اسی کا اندازہ ہوتا تھا کہ یہ کسی ایسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے، جو ان کو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی۔

ان کے پیغمبر نے ان سے اس طرح خطاب کیا:۔

اَتُتۡرَكُوۡنَ فِيۡ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِيۡنَ فِيۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ وَّزُرُوۡعٍ وَّنَخۡلٍ طَلۡعُهَا هَضِيۡمٌ وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا فٰرِهِيۡنَ۔ (شعرا ع ۸)	کیا تم یہاں کی چیزوں میں چھوڑ دیئے جاؤ گے بے کھٹکے باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا خوشہ ملائم ہے اور بڑے تکلف سے پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو۔

حسیت و مادیت اور مظاہر پرستی (اور اس کی ترقی یافتہ شکل بت پرستی) کچھ لازم و ملزوم سے ہیں، حواس و مادہ پرست قوموں کی مذہبیت عموماً اصنام پرستی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، ایک ایسے خدا کا تصور جو نگاہوں سے مخفی ہو، جس کی کوئی جسمانی شکل توجہ کو اپنی طرف مرکوز کرنے کے لئے سامنے موجود نہ ہو، حواس پرستوں اور محسوسات کے خوگر انسانوں کے لئے بہت دشوار ہوتا ہے، وہ اپنے اس جذبہ کو تسکین دینے کے لئے جلد بت تراش لیتے ہیں، اور اپنی زندگی کے اس روحانی شعبہ کو بھی دوسرے شعبوں کی طرح حسی بنا لیتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ ایک ایسی ہی قوم میں پیدا ہوئے تھے، جو اپنی مادی

زندگی کے دوسرے لوازم کے ساتھ بت پرستی میں بڑی ترقی کر گئی تھی۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ۝ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ۝ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝
(شعراء ع ۵)

اور ان کو ابراہیم ؑ کی خبر سناؤ، جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو، انھوں نے کہا کہ ہم مورتوں کی پرستش کرتے ہیں اور سارے دن انھیں کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں، کہا وہ تمہارا کہا کچھ سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا، بولے نہیں پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے پایا، کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو تم پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے اگلے سو وہ میرے حریف ہیں، مگر سارے جہانوں کا پروردگار جس نے مجھے بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے، اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلائے گا، اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن۔

اس بڑھتی ہوئی مادّیت وحسیت اور اصول اخلاقی کے مقابلہ میں جذبات وخواہشات کی پیروی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فطرت انسانی مسخ ہوتی چلی جاتی ہے، وجدان سلیم ماؤف اور اخلاقی حس مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے، اور انسانی مسخ فطرت کے اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے، جہاں حیوان کبھی نہیں پہنچتا، حضرت لوطؑ ایک ایسی ہی قوم میں پیدا ہوئے تھے، جو اخلاقی انحطاط اور فطرت کے تنزل کے اسی مقام پر تھی، وہ فرماتے ہیں :-

اَتَاتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ۰ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۰ (شعراء ع ۹)	کیا تم دوڑتے ہو جہان کے مردوں پر چھوڑتے ہو جو تمہارے واسطے بنا دی ہیں، تمہارے پروردگار نے بیویاں بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے لوگ ہو،

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ (عنکبوت ع ۳)	کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر اور راہ مارتے ہو راستہ چلنے والوں کی اور اپنی مجلس میں نامعقول حرکات کرتے ہو۔

نفع اندوز ذہنیت اور فائدہ جو طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ جائز وناجائز قانونی اور غیرقانونی عمل کا خیال نہیں کرتی، اور اجتماعی نفع اور نظم کے مقابلہ میں شخصی منفعت کا لحاظ کرتی ہے، خواہ اس سے کتنے ہی بدنی مفاسد اور اجتماعی خرابیاں پیدا ہوں تجارت میں خیانت اور بد دیانتی، وزن کرنے میں کمی، زیادتی، اس ذہنیت اور سیرت کا ادنی کرشمہ ہے،

مدین کے تجارت پیشہ لوگوں میں یہ مرض بہت عام تھا، ان کے پیغمبر نے ان کو خاص طور پر اس طرف متوجہ کیا:۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ہ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ہ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (شعراء)	پورا بھر کر دو ناپ اور نقصان دینے والے مت ہو اور تولو سیدھی ترازو سے اور مت گھٹاؤ لوگوں کو ان کی چیزیں اور ملک میں خرابی ڈالتے مت پھرو۔

مصر و شام، عراق و ایران اور یونان اپنے اپنے دور میں اس تمدن کے مرکز تھے، اور یہ تمدن وہاں اپنی فطری خصوصیات کے ساتھ پایا جاتا تھا۔

رومی تمدن حسیت اور مادہ پرستی کا ایک شاہکار تھا، جس میں حسی فلسفۂ اخلاق و اجتماع مادہ پرستانہ مقصد زندگی اور طرز زندگی پورے طور پر نمایاں ہے، اور خیالات و افکار علوم و فلسفہ، اور تمدن و تہذیب کا یہی ترکہ تھا، جو یورپ کو میراث میں ملا، رومی تہذیب کی بنیادیں، بڑے بڑے سیلابوں اور طوفانوں کے بعد بھی قائم رہیں، اور جدید تہذیب کی عمارت انہی بنیادوں پر تعمیر ہوئی، سلطنت روما کے عروج کے وقت روم کی جو اخلاقی و اجتماعی حالت تھی اس کی تصویر ڈریپر ان الفاظ میں کھینچتا ہے:۔

"جب جنگی قوت اور سیاسی اثر کے لحاظ سے سلطنت روما منتہائے ترقی پر فائز ہو گئی تو مذہبی اور عمرانی پہلو سے اس کی اخلاقی حالت فساد کے درجہ اخیر کو پہنچ

چکی تھی، اہلِ روما کی عیش پرستی و عشرت پسندی کی کوئی
انتہا نہ رہی تھی، ان کا اصول یہ تھا کہ انسان کو چاہیے
کہ زندگی کو ایک سلسلۂ عیش بنا دے، پاکبازی، حفظِ
نفس کے خوانِ نعمت پر بمنزلہ نمکدان ہے اور اعتدال
سلسلۂ حفظِ نفس کی درازی کا محض ایک ذریعہ ہے ان
کے دسترخوان سونے اور چاندی کے باسنوں سے جن پر
جواہرات کی پچے کاری ہوتی تھی، جھلکتے ہوئے نظر آتے
تھے، ان کے ملازم زرق برق کی پوشاکیں پہنے ان کی
خدمت کے لئے کمربستہ کھڑے رہتے تھے، ماہرویانِ
روما جو عام طور پر عصمت کی طلائی زنجیر کی قید سے آزاد
تھیں، ان کی مستی انگیز صحبتوں کا لطف دوبالا کرنے
کے لئے محوِ ناز رہتی تھیں، عالیشان حماموں، دلکشا
تماشاگاہوں اور جوش آفریں دنگلوں سے جن میں پہلوان
کبھی ایک دوسرے سے اور کبھی وحشی درندوں سے اس
وقت تک مصروفِ زور آزمائی رہتے تھے، جب تک کہ
حریفوں میں سے ایک ہمیشہ کے لئے خاک و خون میں سو
نہ جائے، اہلِ روما کے سامانِ تعیش پر مزید اضافہ ہوتا
تھا، دنیا کے ان فاتحوں کو تجربہ کے بعد یہ بات معلوم
ہوئی تھی کہ پرستش کے لائق اگر کوئی شے ہے تو وہ قوت
ہے، اس لئے کہ اسی قوت کی بدولت تمام اس سرمایہ
کا حاصل کرنا ممکن ہے، جو محنت اور تجارت کی مسلسل

جانکاہیوں اور عرق ریزیوں سے پیدا ہوا ہے، مال و املاک کی ضبطی، صوبجات کے محاصل کی تشخیص زور بازو کی بدولت جنگ میں کامیاب ہونے کا نتیجہ ہے، اور فرمانروائے دولت روما اس زور قوت کا نشان باعلامت ہے، غرض روما کے نظام تمدن میں جاہ و جلال کی ایک جھلک تو نظر آتی تھی، لیکن یہ جھلک اس تماشئی ملمع کی چمک کے مشابہ تھی، جو یونان عہد قدیم کی تہذیب پر پڑھ گیا تھا[1]۔"

عرب کا دور جاہلیت (جو چھٹی صدی مسیحی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ختم ہوتا ہے) اپنے نفسیات افکار اور اخلاق و اجتماع میں خالص حسی اور مادہ پرستانہ دور تھا،

آخرت اور زندگی بعد موت کے تصور سے انکا ذہن خالی تھا، ان کا خیال تھا (اور یہ خیال حواس پر مبنی تھا) کہ زمین و آسمان کی چکی کے دو پاٹ اور دن رات کا یہ چکر ہم کو پیستا ہے، اس کے سوا کوئی اور طاقت نہیں جو ہماری زندگی کے اس رشتہ کو کاٹ سکے، قرآن ان کے متعلق کہتا ہے:۔

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ (المومنون ع ۱۸)	انھوں نے کہا کہ محض ہماری دنیا کی زندگی ہی ہے، ہم زندہ ہیں، اور مر جائیں گے، اور مر کر زندہ اٹھائے نہ جائیں گے۔

---

[1] معرکہ مذہب و سائنس ترجمہ مولانا ظفر علی خاں

وَقَالُوا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوتُ وَنَحْیَا وَمَا یُھْلِکُنَا اِلَّا الدَّھْرُ (جاثیہ ع ۳)

انہوں نے کہا کہ دنیا کی زندگی کے علاوہ اور کچھ نہیں اور زمانہ کے سوا ہم کو کوئی ہلاک کرنے والا نہیں۔

ایک جاہلی شاعر (شداخ بن یعمر الکنانی) اسی دلیل پر اپنی قوم کو دوسرے قبیلہ کے خلاف جنگ پر ابھارتا ہے کہ زندہ نہ ان کو ہونا ہے، نہ تم کو پھر بزدلی کی کیا وجہ؟ طرزِ استدلال حسّی نفسیت اور طرزِ فکر کا اچھا نمونہ ہے ؎

فقاتلی القوم یا خزاع ولا یدخلکم من قتالھم فشل

القوم امثالکم لھم شعر فی الراس لا ینشرون ان قتلوا[1]

(اے قبیلہ خزاعہ حریفوں سے جنگ کرو اور ان سے لڑنے میں بزدلی نہ آنے پائے۔ یہ (مقابل) لوگ تمہاری ہی طرح ہیں، ان کے بھی سر پر بال ہیں، قتل ہو جانے کے بعد وہ بھی زندہ نہ ہوں گے)

انکار آخرت سے زندگی کا جو مادّی اور عیش پرستانہ نقطۂ نظر قائم ہوتا ہے، وہ جاہلیت میں بھی تھا، وہ کہتے تھے کہ موت تو برحق ہے، پھر زندگی کے یہ چند دن (جن کے بعد کوئی زندگی نہیں) تشنگی اور محرومی میں کیوں گذریں، تشنہ لب جان دینے سے تو سیراب ہوکر مرنا بہتر ہے، چنانچہ جاہلی نوجوان شاعر طرفۃ بن العبد اس ذہنیت کی سچی نمائندگی کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

الا ایّھذا الزاجری احضر الوغی وان اشھد اللذات ھل انت مخلدی

---

[1] حماسہ، باب الحماسہ

فإن كنت لا تستطيع دفع منيتي ۔۔۔ فدعني أبادرها بما ملكت يدي
كريم يروّي نفسه في حياته ۔۔۔ ستعلم إن متنا غدا أينا الصدي[1]

(اے میرے اس بات پر مجھے ملامت کرنے والے کہ میں
لڑائی میں شریک ہوتا ہوں اور زندگی کے مزے لوٹتا ہوں
ذرا یہ تو بتا کیا تو مجھے ہمیشہ زندہ رکھ سکتا ہے؟
پس اگر تو میری موت کو ٹال نہیں سکتا تو مجھے اپنی تمام
دولت کے ساتھ اس سے سبقت کرنے دے کہ میں اس سے
پہلے اپنے حوصلے پورے کر لوں)
میرا گناہ کیا ہے؟ ایک حوصلہ مند آدمی ہوں جو اپنی زندگی
میں اپنے دل کی پیاس بجھاتا ہے، کل کو جب ہم مر جائیں گے
یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں کون پیاسا مرا)

ایسے خالص حسی اور جاہلی ماحول میں زندگی کا (عیش ولذت سے) بلند تر مقصد نام ونمود یا اظہارِ قوت ومردانگی رہ جاتا ہے، جاہلی دماغ اس سے زیادہ بلند پروازی کی طاقت نہیں رکھتا، چنانچہ حوصلہ مند شاعر اپنے سچے جذبات بیان کرتا ہے ؎

ولولا ثلاث هن من عيشة الفتى ۔۔۔ وجدك لم أحفل متى قام عودي
فمنهن سبقي العاذلات بشربة ۔۔۔ كميت متى ما تعل بالماء تزبد
وتقصير يوم الدجن والدجن معجب ۔۔۔ ببهكنة تحت الخباء المعمد
وكري إذا نادى المضاف محنبا ۔۔۔ كسيد الغضا نبهته المتورد[1]

(اگر تین چیزیں نہ ہوتیں جو سرمایہ جوانی ہیں تو تیری قسم

---

[1] سبعہ معلقہ، معلقہ طرفہ بن العبد

مجھے اس کی کوئی پرواہ نہ ہوتی کہ مجھے مرض موت کب
پیش آتا ہے،
۲۔ ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ ملامت کرنے والی عورتوں
سے بھی پہلے اٹھ کر ایک ارغوانی جام چڑھالوں جس میں اوپر
سے پانی ڈالنے کی وجہ سے جھاگ اٹھتا ہے،
۳۔ اور ایک خوشگوار بادلی کے دن کو ایک خیمہ کے اندر ایک
مہوش کے ساتھ گزار کر مختصر کرتا۔
۴۔ اور ایک ستم رسیدہ آدمی کی دہائی دینے پر ایسے کج رفتار گھوڑے
کو ایڑ لگاتا جو غضا کے بھیڑیئے کی طرح (پر جوش اور
تیز رفتار رہے) جو گھاٹ پر پانی پینے کو جارہا تھا، اور تم
نے اس کو چھیڑ دیا)

ان خیالات کے ساتھ ایک خاص قسم کا جاہلی فلسفہ پیدا ہوتا ہے
اس لئے کہ بداوت اور جہالت کا کوئی ادنیٰ دور بھی بغیر فلسفہ کے نہیں
ہوتا، اس فلسفہ میں تمام جاہلی علوم کی طرح سطحیت پائی جاتی ہے،
ظاہری چیزوں سے استدلال قیاس مع الفارق، حاضر کو غیر موجود
پر ترجیح اس کے لوازم میں سے ہے، جاہلی شعرا نے اپنے ان خیالات
وجذبات کے ساتھ اس فلسفہ کا بھی اظہار کیا ہے، جو بعض مواقع پر
صحیح ہونے کے باوجود اس جاہلی روح اور جاہلی فکر سے خالی نہیں،
مثلاً سابق الذکر شاعر طرفہ کہتا ہے کہ احتیاط و بے احتیاطی کا نتیجہ
مرنے کے بعد ایک ہے، محتاط اور غیر محتاط آدمیوں کی قبروں کو دیکھو
مٹی کے دو ڈھیر ہیں، جن پر پتھر کی کچھ سلیں جوڑ دی گئی ہیں، شاعر

اگرچہ مثالاً یہاں بخیل و حریص اور ایک مسرف و عیاش آدمی کا مقابلہ کر رہا ہے مگر دراصل اس کا خیال انھی حدود میں محدود نہیں، وہ کہتا ہے ؎

اری قبر نحّام بخیل بمالہ — کقبر غویّ فی البطالۃ مفسد
تری جثوتین من تراب علیہما — صفائح صمّ من صفیح منضّد[1]

(میں ایک بڑے بخیل و حریص آدمی کی قبر اور ایک فریب خوردہ بیکار دولت اڑانے والے اور بگاڑنے والے کی قبر میں کوئی فرق نہیں پاتا،
تم کو مٹی کے دو ڈھیر ملیں گے، جن پر مضبوط پتھر کی سلیں جوڑی گئی ہوں گی)

ان نفسی خصوصیات کے ساتھ جاہلیت کی اجتماعی زندگی میں ایک مخصوص قسم کا حسّی علم الاخلاق بھی پایا جاتا ہے، تقریباً جاہلیت کے ہر دور میں (اگر اس میں خاص تاریخی حالات کے بنا پر زنانہ پن اور تنعم نہ پیدا ہو جائے) دلیری اور جنگجوئی بہترین مردانہ خصائل اور قابلِ فخر بات سمجھی جاتی ہے، خواہ وہ بے مقصد اور بے محل ہو، جنگ بجائے خود بلا کسی بہتر مقصد و نیت اور ضرورت کے مستحسن سمجھی جاتی ہے، اس چیز میں اتنا غلو ہوتا ہے، کہ جاہلی قوموں اور قبائل کو جنگ کے بغیر رہنا مشکل ہوتا ہے، ان کو جب کوئی حریف نہیں ملتا تو اپنے حلیف ہی پر حملہ کر کے اپنی اس عادت کو برقرار رکھتے ہیں، ایک شاعر قطامی اپنے قبیلہ کے مشغلۂ جنگ کو بڑی صفائی کے ساتھ بیان کرتا ہے

---

[1] سبعہ معلقہ۔ معلقہ طرفہ بن العبد۔

واحیانا علی بکر اخینا   اذا ما لم نجد الا اخانا[1]

(اور کبھی ہم اپنے برادر قبیلہ بنی بکر ہی پر حملہ کر دیتے ہیں جب ہم کو اپنے بھائیوں اور حلیفوں کے سوا کوئی نہ ملے)

جنگ محض جنگ اور اظہار قوت کے خاطر خاص جاہلی جذبہ ہے اور یہ جذبہ حتیٰ تمدن و تہذیب میں اکثر ابھرتا ہے ایک جاہلی شاعر بڑے پرلطف انداز میں اپنے اس بنیادی جذبہ کو ظاہر کرتا ہے کہ جب میرا گھوڑا جوان ہو جائے اور اس کی پیٹھ سواری کے قابل ہو جائے تو خدا قبائل میں جنگ چھیڑ دے تاکہ مجھے اپنے گھوڑے کے جوہر دکھانے کا موقع ملے، سہ

اذا المہر الشقراء ادرک ظہرھا   فشب الالٰہ الحرب بین القبائل

واوقد نارا بینہم یضرا مھا   لھا وھج للمصطلی غیر طائل[2]

(جب میرے سرخ رنگ کے نوعمر گھوڑے کی پیٹھ سواری کے قابل ہو جائے، تو خدا قبائل کے درمیان جنگ چھیڑ دے اور اس کی آگ ان کے درمیان بھڑکا دے جس کی آنچ تاپنے والے کے لئے مفید نہیں ہے)

جاہلی قوم میں اگر اتحاد و تعاون ہی ہوتا ہے تو اس کے کچھ شرائط اور حدود نہیں ہوتے، یعنی اس میں معیار حق و باطل نہیں ہوتا، بلکہ محض حمایت کا جذبہ اور جماعتی عصبیت کارفرما ہوتی ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کس طرف بلایا جا رہا ہے اور کس چیز کے لئے مدد مانگی جا رہی ہے، بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون بلا رہا ہے اور کون

سلہ حماسہ باب الحماسہ سلہ ایضاً

مدد مانگ رہا ہے ، اس حمیت جاہلیت کو جاہلیت کا یہ مقبول عام جملہ خوب ادا کرتا ہے ، ع

انصر اخاك ظالما او مظلوما[1]

(اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم)

جاہلی شاعر کہتا ہے ؎

ان انا لم انصر اخی وھو ظالم علی القوم لم انصر اخی حین یظلم

(اگر میں نے اپنے بھائی کی ظالم ہونے کی حالت میں مدد نہ کی

تو میں اس کی مظلوم ہونے کی حالت میں بھی کیا خاک مدد کرونگا)

یہ حسّی اور مادّی تمدّن چونکہ دنیا کا سب سے عام اور مقبول تمدّن ہے اس لئے اس کے خد و خال پیش کرنے میں ذرا تفصیل سے کام لیا گیا۔

عقلی تمدّن[2]؛ تمدّن و تہذیب کی طویل تاریخ میں ہمیں کسی ایسے تمدّن کا علم نہیں جس کو خالص عقلی تمدّن کہنا صحیح ہو اور جس میں کوئی چیز اس وقت تک اختیار نہ کی جاتی ہو جب تک عقل کی کسوٹی پر کس کر دیکھ نہ لی جائے اور عقل اس کے جواز یا استحسان

---

[1] حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں مشہور امام لغت مفضل ضبی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جاہلیت میں سب سے پہلے جس نے یہ جملہ کہا وہ جندب بن العنبر ہے ، اس سے مراد بالکل اس کا ظاہری لفظی مفہوم ہے۔

[2] یہ عقلی تمدّن بھی جیسا کہ آگے واضح کر دیا گیا ہے ، دراصل حسّی اور مادّی تمدّن ہی ہے لیکن چونکہ اس کے متعلق عقلی ہونے کی عام غلط فہمی ہے اس لئے ہم نے اس کو علیحدہ اس عنوان کے ماتحت ذکر کیا ہے۔

کا فیصلہ نہ کردے، ایسا تمدن اگر وجود میں آبھی جائے تو لوگوں کی
زندگی دشوار ہو جائے، اور خود اس تمدن کا دن دو دن سے زیادہ
چلنا مشکل ہو، بقول ایک مغربی ادیب کے انسان اپنی زندگی اور
اپنے افعال میں بہ نسبت عاقل کے غیر عاقل زیادہ ہے، تمدن کے
متعلق بھی یہ کہنا صحیح ہوگا، نظریات وافکار، عقائد وخیالات، رسوم
وعادات، اصول معاشرت، اخلاق ومذہب کسی کے متعلق یہ
دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کہ ان کی بنیاد عقل خالص پر ہے، اور عقل ان
کے رد وقبول کا معیار کامل ہے، ان میں سے اکثر چیزیں عقل سے
مشورہ لئے بغیر وجود میں آجاتی ہیں، پھر عقل کا فیصلہ ان کے حق
میں غیر مسموع ہوتا ہے، یا عقل خود ان کو سند جواز دے دیتی ہے اور
ان کی طرف سے وکیل بن جاتی ہے، یونان کے پیشہ عصمت فروشی
اور خلاف فطرت جرائم کی یونانی عقل نے کیا کیا صفائیاں پیش نہیں
کیں اور کیسے کیسے نکتے نہیں نکالے، ستارہ پرستی اور بت پرستی کے لئے
جس سے بڑھ کر خلاف آشنائی اور منافات کا شغل نہیں ہو سکتا، رومی
عقل نے کیا کیا تاویلیں نہیں کیں اور اس کی معصومیت پر کیسے
کیسے دلائل قائم نہیں کئے، جاہلیت عرب کی رسم دختر کشی اور
ہندوستان کی ستی کی رسم کے متعلق اس وقت کے عقلا کیا کیا فلسفہ
بیان نہیں کرتے ہوں گے، لیکن اس سے حقائق اشیاء تبدیل تو نہیں
ہو جاتے اور وہ تمدن عقلی تو نہیں کہلایا جا سکتا،

تمدن واجتماع تو بعد کی چیزیں ہیں، ان کے خمیر میں تو
عقل کے علاوہ اور بہت سی چیزیں داخل ہیں، حکمت وفلسفہ بھی

غیر عقلی عناصر سے پاک نہیں،

یونان کے فلسفہ میں جو عقل انسانی کا جوہر سمجھا جاتا ہے، یونانیوں کے علم الاصنام (mythology) اور یونانی توہمات اور افسانوی اعتقادات کا کتنا بڑا حصہ ہے، افلاطون و ارسطو ہی اپنی "مسلّم" حرّیت فکر کے باوجود اپنے ماحول کے اثرات اور مسلّمات سے آزاد نہ ہو سکے۔

دنیا کے جن تمدنوں کو پہلی اور سطحی نظر میں عقلی اور علمی تمدن سمجھا جاتا ہے، گہری اور تنقیدی نظر کے بعد وہ خالص حسّی اور مادّی تمدن ثابت ہوتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ قریب یورپ کے موجودہ تمدن کا ہے، جو یورپ کے ساحرانہ پروپیگنڈے سے انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ عقلی اور علمی تمدن تسلیم کیا جاتا ہے حالانکہ فلسفہ جدید کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اس کی تاریخ ہی عقلیت کے خلاف مادّہ، حسّیت اور تجربیت کی بغاوت سے شروع ہوتی ہے، اور اس کا انجام عقل پر مادہ، روح پر حواس اور اعتقاد پر تجربہ کے انتہائی غلبہ اور تشدد کی صورت میں ظاہر ہوا سترھویں صدی عیسوی سے یورپ کے فلاسفہ و حکما و اجتماعیین و اخلاقیین نے عقل کے خلاف جنگ عظیم شروع کی، انھوں نے انکار کی بنیاد پر کہا کہ حقائق بس یہ ہیں جو چیز تجربہ میں نہ آسکے موجودات میں سے نہیں جو چیز ناپی، تولی، اور گنی نہ جا سکے، اخلاق میں سے جس چیز کا فائدہ ظاہر نہ ہو وہ قابل تسلیم نہیں ہے، انھوں نے بالاعلان اس کی دعوت دی کہ کائنات پر غور آزادانہ طریقے سے

جس کی بنیاد کسی مابعد الطبیعی نظریہ یا کسی ما فوق البشر ہستی کے وجود پہ نہ ہو، انھوں نے مادہ اور حرکت کے علاوہ کسی اور طاقت کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور صاف صاف کہہ دیا کہ اس عالم میں کوئی نفسی یا روحی یا عقلی قوت کام نہیں کر رہی ہے کائنات کی میکانکی توجیہہ ہی مدلل اور علمی طریقہ قرار پایا، اور اس کے علاوہ ہر توجیہہ، ہر طریق فکر، ہر طرز استدلال غیر معقول اور غیر علمی ٹھیرا، رفتہ رفتہ یہ طبیعت، یہ میکانکی ذہنیت اور یہ تجربیت و افادیت ساری زندگی پہ چھا گئی،

اخلاق و معاشرت، سیاست و اجتماع سب کی بنیاد یہی تجربہ اور افادہ قرار پایا، اور زندگی کا کوئی مخفی سے مخفی گوشہ قلب و دماغ کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ ریشہ بھی اس اثر سے محفوظ نہ رہا

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ کے لٹریچر میں جس قدر عقل اور فطرت کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے، شاید کسی لفظ کا نہیں ہوا، اور یہ دونوں الفاظ یورپ کے لئے جو کشش اور ان کے دماغوں پر جو اثر رکھتے ہیں، وہ اثر کم الفاظ کو حاصل ہوگا لیکن ان الفاظ کی تحقیق کیجئے گا اور زندگی میں ان کی تشریحات دیکھئے گا تو ثابت ہوگا کہ عقل سے ان کی مراد عقل حیوانی ہے، (اگر یہ تعبیر صحیح ہو) جو محسوسات اور تجربہ کی پابند ہے، اور جس کے نزدیک ان دو کے علاوہ ہر چیز بے حقیقت اور خلاف عقل ہے، سترھویں صدی کا ایک عالم اس خیال کی اس طرح ترجمانی کرتا ہے :-

"ہمارے علم کے نتائج صرف ریاضی کے ذریعہ سے

پوری طرح یقینی ہو سکے ہیں۔ عقل تجربہ کا حاصل ہے لہذا
زمانہ کی پیداوار ہے۔ وہ تمام تخیلات قابلِ رد ہیں، جن
کی تائید تجربہ سے نہیں ہوتی، کیونکہ تجربہ ہی تمام
علوم کی ماں ہے[1]"

اسی طرح فطرت سے مراد فطرت حیوانی ہوتی ہے، جو ہر قسم کے لطیف احساسات، اخلاقی ضمیر، اور قلبِ سلیم اور عقلِ سلیم دونوں سے آزاد ہوتی ہے، جو ہر قسم کی پابندیوں اور حدود سے گھبراتی ہے، جس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ انسان کھائے، پئیے اور آزاد رہے چنانچہ جن چیزوں کے مقابلہ میں اور جن مواقع پر یہ لفظ بولا جاتا ہے ان سے صاف تعیین ہوتی ہے کہ اس سے فطرتِ بہیمی کے علاوہ اور کچھ مراد نہیں،

حسی تمدن اور علم میں انسان کے ایک ترقی یافتہ حیوان ہونے کا جو اجمالی اور سرسری تخیل ہوتا ہے، یورپ کے تحقیقی اور علمی دور میں وہ ایک مفصل و مدلل علمی (سائنٹفک) حقیقت بن گیا، اور یہ نظریہ ساری زندگی کے جسم میں روح کی طرح سرایت کر گیا، انسان کی سعادت اسی میں سمجھی جانے لگی کہ وہ اپنی اصل اور فطرت سے قریب تر ہو،

اس کا فطری اقتضا یہ ہوا کہ انسانی زندگی کا مقصدِ اعلیٰ اور کمال مطلوب لذت و تمتع (Enjoyment) قرار پایا ایرانی شاعر نے جس مقصد کو "بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کی

---

[1] لیونارڈو Leonardo تاریخ فلسفہ جدید از ڈاکٹر ہرلڈ ہوفڈنگ

شاعرانہ زبان میں ادا کیا تھا۔ عربی شاعر نے جس کو اس لطافت سے کہا تھا ؎

ستعلم ان متنا غدا اینا الصدی　　کریم یروی نفسہ فی حیاتہ

اور ہندوستانی شاعر نے جس کو زندگی کی بے ثباتی کے پردہ میں یوں بیان کیا تھا، ؎

ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں　　ساقی ہے ایک تبسم گل فرصت بہار

مغرب کی حقیقت پسند اور صاف گو زبان نے استعارات وکنایات کا پردہ اٹھا کر اور اس کے ہیچ کر کے صاف صاف یوں کہا

Eat and Drink and Be Marry　　کھاؤ پیو اور مست رہو

یہی مادی اور لہو و غرضانہ ذہنیت زندگی کے تمام شعبوں میں جلوہ گر ہوئی، معاشیات میں اس نے سرمایہ داری کی شکل اختیار کی، سیاست میں اس نے ملک گیری اور اقتدار کا رنگ اختیار کیا، نظریات اور افکار میں بھی دو متقابل پہلوؤں میں سے مغرب نے اسی پہلو کو اختیار کیا۔ جو زیادہ حسی اور مادی تھا، مثلاً مذہب یا وحدت خیال کی بنا پر جو بین الاقوامی اتحاد ممکن ہے، اس کے مقابلہ میں ایک قومیت یا ایک نسل، یا ایک وطنیت کی بنا پر اتحاد زیادہ حسی اور مادی ہے، اور حواس کے لئے اس میں زیادہ کشش ہے؛ چنانچہ یورپ کا انتخاب بین الاقوامیت اور انسانیت کے مقابلہ میں قومیت، اور تمام روئے زمین کو اپنا وطن سمجھنے کے بجائے محدود جغرافیائی وطنیت تھا، مغرب میں دین کا اثر جتنا کمزور ہوتا گیا۔ اور حسیت اور مادیت کا جتنا غلبہ ہوتا گیا، قومیت اور وطنیت

کا جذبہ اتنا ہی قوی ہوتا گیا، گویا یہ دونوں ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں کہ ایک جتنا جھکتا ہے دوسرا اتنا ہی اونچا ہو جاتا ہے،

یورپ کے جدید لٹریچر میں روحانیت (Spiritualism) کا لفظ بھی کافی دلچسپی کے ساتھ آتا ہے، لیکن اس سے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ وہ کوئی روحانی تحریک اور تزکیہ نفس اور صفائی قلب کا کوئی نظام ہے، یہ محض انسان کی چند مخفی طاقتوں کی پرورش وترقی اور ان کے عجائب اور شعبدوں کا مظاہرہ ہے جو مسمریزم کی طرح ایک مرتب فن (Science) اور ایک صنعت (Art) بن گیا ہے، اور جس کا اخلاق اور خود روح پر کوئی اثر نہیں،

یورپ پورا کا پورا لفظاً لامذہب بھی نہیں، اس کا بڑا حصہ مذہباً عیسائی ہے، لوگ اتوار کے دن چرچ میں جمع ہوتے ہیں، مسیحی رسوم وتقریبات ملک میں شان وشوکت کے ساتھ منائی جاتی ہیں، اور مذہب کے بہت سے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں لیکن درحقیقت یورپ کا مذہب صرف مادہ پرستی ہے۔

ایک صحیح الفکر مسلمان یوروپین[1] یورپ کی موجودہ زندگی اور اس کی مادہ پرستی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"متوسط یوروپین خواہ وہ جمہوری ہو یا فاشستی، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، صناع اور دستکار ہو یا دماغی کام کرنے والا، صرف ایک اثباتی مذہب جانتا ہے، مادی ترقی کی پرستش، اور یہ یقین کہ زندگی کا

---

[1] محمد اسد صاحب سابق (Leopold Weiss)

مقصد وحید زندگی کو مسلسل آسان سے آسان تر
اور (جدید تعبیر کے مطابق) "فطرت سے آزاد"
بنانا ہے، اس مذہب کے معبد عظیم الشان کارخانے
سینما، کیمیاوی معمل، ناچ گھر، اور بجلی کے کارخانے
ہیں، اور اس مذہب کے پادری بینکر، انجنیر، فلم اسٹار
ملک التجار اور رکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں، قوت اور
مسرت کے اس چھوڑپن کا لازمی نتیجہ وہ حریف گروہ
اور جماعتیں ہیں جو کیل کانٹوں سے لیس اور ایک
دوسرے کو تباہ کرنے کے لئے تیار رہیں، جب بھی
ان کا مفاد ایک دوسرے سے ٹکرائے، تہذیبی
نقطہ نگاہ سے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانوں کی
ایک ایسی قطع پیدا ہو گئی ہے، جس کی اخلاقیت
عملی افادیت کے سوال کے اندر محصور ہے اور جس کے
نزدیک خیر و شر کا بلند ترین معیار مادی کامیابی ہے،
مغرب کی معاشری زندگی موجودہ زمانہ میں جس گہری
تبدیلی سے گزر رہی ہے، اس میں نئی اخلاقی افادیت
روز بروز زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتی جارہی ہے
وہ تمام محاسن جو سوسائیٹی کے مادی مفاد پر براہ
راست اثر انداز ہوتے ہیں، مثلاً صنعتی قابلیت
وطن پرستی، قوم پرستانہ احساس جماعت ان کی
عظمت بڑھتی جارہی ہے، اور ان کی قیمت میں بعض

اوقات غیر معقول طریقہ پر مبالغہ کیا جاتا ہے، اس
کے مقابلے میں وہ محاسن جن کی ابھی تک محض اخلاقی
حیثیت سے منفعت تھی، مثلاً محبت پدری، یا ازدواجی
وفاداری، وہ بڑی سرعت کے ساتھ اپنی اہمیت
کھو رہے ہیں، اس لئے کہ وہ سوسائٹی کو کوئی نمایاں مادی
فائدہ نہیں پہنچاتے، اس زمانہ کی جگہ جس میں خاندانی
روابط کا استحکام ہی خاندان اور قبیلہ کی خیر و فلاح
کے لئے ضروری تصور کیا جاتا تھا، مغرب جدید میں
اس زمانہ نے لے لی ہے، جو وسیع تر عنوانات کے
ماتحت اجتماعی تنظیم کرتا ہے ایک ایسی سوسائٹی میں جو
بنیادی طور پر صنعتی ہے، اور جس کی تنظیم بڑی تیز
رفتاری کے ساتھ خالص میکانکی خطوط پر کی جارہی
ہے، ایک فرد کا برتاؤ اپنے والد کے ساتھ کوئی
معاشرتی اہمیت نہیں رکھتا، جب تک کہ یہ افراد
اس عام معیار شرافت کے حدود کے اندر ایک دوسرے
سے برتاؤ کرتے ہیں، جو سوسائٹی نے افراد کے
باہمی برتاؤ کے لئے مقرر کر دیا ہے، اس کا نتیجہ یہ
ہے کہ یورپین باپ کا اقتدار اپنے بیٹے پر برابر
کم ہوتا جا رہا ہے اور بیٹے کے دل میں اپنے باپ
کی طرف سے عزت و احترام کا جذبہ رو بزوال ہے
ان دونوں کے باہمی تعلقات تیزی کے ساتھ تاپد

سے باہر ہونے جا رہے ہیں، اور عملاً ایک ایسی مشینی سوسائٹی کے ذریعہ ان تعلقات کا خون ہو رہا ہے، جس میں افراد کے حقوق باہمی کے منسوخ کر دینے کا رجحان پایا جاتا ہے، اور جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ خاندانی رشتہ داری کے پیدا کئے ہوئے حقوق کلی ختم ہوتے جاتے ہیں[1]۔

اشراقی تمدن | اشراق حواس پرستی اور مادیت کا بالکل ضد ہے، حواس پرستی میں جس طرح روح اور اس کے متعلقات کا انکار ہے یا ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے، اشراق میں جسم اور مادیت کے خلاف جنگ کی جاتی ہے، اس کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ انسان کا جسم ایک قفس ہے، جس میں طائر روح مقید ہے، وہ قفس اس کی ہر قسم کی ترقی اور پرواز میں حارج ہے، روح اپنے مرکز اصلی اور سرچشمۂ حقیقت سے اس وقت تک اتصال پیدا نہیں کر سکتی، جب تک کہ اس قفس سے آزاد نہ ہو، اس لئے یا تو اس قفس کو توڑ دیا جائے یا اس کی تیلیوں کو اتنا کمزور کر دیا جائے کہ طائر روح جب چاہے آزادانہ اپنے آشیانہ کی طرف پرواز کرے۔

اشراقیت جدیدہ کا دوسرا امام پارفری کہتا ہے کہ فلسفہ کی غایت موت کا حصول و قرب ہے اس لئے کہ اس سے جسم و روح کا انفصال حاصل ہوتا ہے، جو زندگی کا اصلی

---

[1] Islam at the Cross Roads
The Tregedy of Europe

مقصود ہے، اسی مذہب کے دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ: "انسان کے لئے سب سے بڑی مصیبت لذت و مسرت ہے کہ اسی کے باعث روح کو جسم سے وابستگی اور دلچسپی قائم ہو جاتی ہے، اور اسی کے باعث روح کا عنصر یزدانیت ماند پڑ جاتا ہے، اور وہ روح حقیقت چھوڑ کر جسم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے لگتی ہے" فلسفہ کی تحصیل حواس ظاہری کو مردہ کرنے کے بعد صرف خالص و بے آمیز عقل کی بنا پر ہونا ممکن ہے، جسم روح کو گمراہ کرتا رہتا ہے، اور جب تک روح قید مادی میں گرفتار رہے ہم کبھی حقائق اصلی کو نہیں پا سکتے"

اس اشراقی فلسفہ اور تعلیم کا اثر جن جن مذاہب اور اخلاقیات پر پڑا ان میں جسم کی تعذیب، مادیت کا ازالہ، بعض خواہشات انسانی کا استیصال کلی، جذبات کشی، تجرد و رہبانیت اصول و فرائض میں شامل ہو گئے، اور اصولی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ جسمانیت و روحانیت دو اضداد ہیں جن کا اجتماع محال ہے، اور انسان کی سعادت اس میں ہے کہ وہ روح کے مقابلے میں جسم کو بالکل مغلوب اور نظر انداز کر دے۔

اس فلسفہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جسم اور اس کے متعلقات سے نہ صرف غفلت برتی جاتی ہے، بلکہ اس کے خلاف ایسا معاندانہ جذبہ پیدا ہوتا ہے جو کسی راہ رو کو اپنے پتھر کے مقابلے میں پیدا ہوتا ہے، جس سے اس نے بار بار ٹھوکر کھائی ہو، یا ایک مہجور آشیاں طائر کے دل میں اپنے قفس کے خلاف

پیدا ہوتا ہے، دنیا کو دارالعذاب، زندگی کو ایک بارگراں اور دنیاوی تعلقات کو طوق وسلاسل سمجھا جانے لگتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ تصورات تمدن کی بنیادوں پر تیشہ کا کام دیتے ہیں اور ان سے کسی تمدن کی تخریب کا تو بخوبی کام لیا جا سکتا ہے لیکن کسی تمدن کی تعمیر کا کام قطعاً نہیں لیا جا سکتا، حسیت و روحانیت خالصہ دو انتہائی سروں پر ہیں، لیکن ان دونوں میں یہ ایک بڑا فرق ہے کہ حسیت دنیا میں اپنے اصول پر تمدن قائم کرنے میں آسانی سے کامیاب ہو جاتی ہے۔ لیکن روحانیت خالصہ کے فلسفہ پر کسی محدود سے محدود رقبۂ زمین میں بھی کوئی تمدنی زندگی ظہور میں نہیں آسکتی،

اسی کا نتیجہ ہے کہ فلسفۂ اشراق کے قبول کرنے والوں نے خارجی زندگی میں اشراقی اور روحانی اصول سے بالکل ہٹ کر مادی اور حسی اصول پر اپنی زندگی گزاری، ان کو اپنی زندگی میں روحانیت اور مادیت کے درمیان پیوند لگانا پڑا، وہ اپنی عبادت گاہوں میں اشراقی اور روحانی تھے لیکن بساطِ سیاست پر خالص مادی اور حسی تھے، اشوک جو ایک عقیدتمند اور پرجوش بدھ تھا اور ساتھ ہی ساتھ ایک زبردست فرمانروا اور کامیاب فاتح تھا، اس طرزِ عمل کا ایک نمونہ ہے، قسطنطین نے جب مسیحیت (جو اپنے علمبرداروں کے ہاتھوں مسخ ہو کر ایک خالص روحانی اور اشراقی تعلیم بن چکی تھی) قبول کی تو اس نے بھی یہی "دو عملی" اختیار کی اور مسیحیت کی روحانیت کے ساتھ بت پرست روم کی مادیت اور

جاہلیت کو جمع کیا ، اگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی خالص روحانی تعلیم کو تمدن پر اثر انداز ہونے کا موقع مل جاتا ہے ، تو تمدن کو برابر زوال ہوتا جاتا ہے ، اور قوم و تہذیب پر رفتہ رفتہ عالم نزع طاری ہو جاتا ہے ، اس وقت یا تو وہ قوم اور تہذیب صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے ، یا اگر اس قوم میں مدافعت کی کچھ طاقت ہوتی ہے تو اس روحانیت خالصہ کے خلاف ایک زبردست ردعمل شروع ہوتا ہے ، جو بالعموم مادیت محضہ سے کم پر قناعت نہیں کرتا اور روحانیت کی کسی شکل کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت یا رواداری روا نہیں رکھتا ، یہ آخر الذکر صورت یورپ میں پیش آئی ، جہاں اولاً اشراقیت کے اثر اور ثانیاً مذہب عیسوی کے نمائندوں اور علمبرداروں کی کج فہمی اور حقیقت مذہب سے ناآشنائی اور مسخ و تحریف سے کچھ دونوں کے بعد مسیحی مذہب ، اشراقیت سے بھی زیادہ راہبانہ اور غیر فطری نظام بن گیا ، ازدواج کو معصیت کبیرہ طبقۂ اناث کے وجود کو دنیا کے لئے لعنت اور اس سے تعلق کو دینی ترقی میں سب سے بڑا مانع سمجھنے کا اعتقاد اصول مذہب میں داخل ہو گیا ، اور اچھے اچھے متبحر علماء مسیحیت نے علانیہ تجرد و رہبانیت کی تبلیغ کی ، قرون وسطےٰ کے بڑے بڑے مشہور راہب اور علماء بچوں کو ماؤں کی گود سے نکال کر صحرا میں پہنچانے اور لڑکوں کو اغوا کر کے راہب بنانے کا کام فخریہ انجام دیتے تھے ، جسم کشی ، خود آزاری اور خلاف فطرت ریاضتوں کے جو لرزہ خیز واقعات اور راہبوں کے وحشی درندوں کے غاروں ، خشک کنوؤں اور قبرستانوں

میں رہنے، ستر پوشی کا کام جسم کے بڑے بڑے بالوں سے لینے
چوپایوں کی طرح ہاتھ پیر کے بل چلنے، انسانی خوراک کی بجائے
گھاس کھانے، سال سال بھر ایک پاؤں سے کھڑے رہنے کی
جو روایات لیکی نے تاریخ اخلاق یورپ میں نقل کی ہیں، ان سے
ان بے اعتدالیوں کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے، جو مسخ شدہ مسیحیت نے
انسانیت و تمدن کے حق میں کی تھیں۔

اس آدم بیزار اور مردم آزار نظام روحانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ
عیسوی سلطنت اور مذہب کا جہاں جہاں اثر تھا، تمدن کی بنیادیں
ہل گئیں، ملک کی آبادی سرعت کے ساتھ گھٹنے لگی، امراض، موتوں
اور قحط سالیوں کی کثرت ہوئی، تعلیم فنا ہونے لگی، شہریت کے آثار
مفقود ہونے لگے، وسائل حیات برائے نام رہ گئے اور پوری مسیحی دنیا
میں جہالت، وحشت اور تاریکی کا دور دورہ ہو گیا، یہاں تک کہ
"قرون وسطی" "قرون مظلمہ" کا ہم معنی قرار پایا۔

اس صورت حال کے خلاف رد عمل ہونا بالکل طبعی امر تھا
یہ رد عمل ہوا، اور جب اٹھارویں صدی میں روحانیت اور رہبانیت
نے آخری شکست کھائی تو یورپ مادیت پر اس طرح گرا جس طرح
کوئی فاقہ زدہ اور ندیدہ انسان کھانے پر گرتا ہے، یہ مادیت اس ظلم کا
انتقام تھا جو مسیحی راہبوں اور اربابِ کلیسا نے کئی سو برس تک انسانیت
اور تمدن پر روا رکھا تھا لیکن یہ انسانیت پر ایک دوسرا ظلم ہے اور اس کا
فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون سا بڑا ظلم ہے اور کس میں جوہر انسانیت کی زیادہ قدر کی
ہے، پیشگوئی بھی مشکل ہے کہ اس بہیمانہ بلکہ درندانہ مادیت اور اس
میکانکی جمادیت کے خلاف رد عمل کب ہوگا اور وہ کہاں جا کر رکے گا!

سوالات کے جواب کی دوسری راہ

رسالت

اس ساری بحث و تنقیح کا حاصل جس کے لئے آپ کا اتنا وقت لیا یہ ہے، کہ انسان کی تمام ظاہری اور باطنی قوتیں اس کے حواس، اس کی عقل اور اس کا حاسۂ باطنی، اس کا مشاہدۂ باطنی، سب اس کے ان اہم اور بنیادی سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہیں، اور انسان نے اپنی پوری تاریخ میں ان قوتوں کے ذریعے جب ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی تو وہ ناکام رہا، اور ان مشتبہ اور قیاسی جوابات اور مفروضات پر جب اس نے اپنی زندگی اور تمدن کی کوئی عمارت بنائی تو اس کی بنیاد میں کوئی ایسی کجی پیدا ہوگئی جس سے اس کی دیوار ثریا تک کج رہی،

لیکن کیا ہم اس سلبی نتیجہ پر قانع ہو سکتے ہیں، اور کیا ہم کو یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ درحقیقت ان سوالات کا جواب موجود ہی نہیں؟

ہم جب کائنات پر نظر ڈالتے ہیں، اس کی وسعت، اس کی عظمت، اس کی صنعت اور حکمت، اس کے قوانین کی ہمہ گیری، اس کے عناصر کا اعتدال، اس کے اجزا کا

تناسب اور ان کا باہمی تعاون دیکھتے ہیں تو ہماری عقل سلیم یہ فرض کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتی، کہ یہ کارخانہ بغیر کسی بنانے والے کے بن گیا، بغیر کسی چلانے والے کے چل رہا ہے، کوئی مقصد اور غرض و غایت نہیں رکھتا اور یونہی خودبخود ختم ہو جائے گا،

اسی طرح ہم جب اس عظیم الشان اہتمام کو دیکھتے ہیں جو پیدائش سے موت تک انسان کے لئے اس دنیا میں کیا گیا ہے، ان وسیع انتظامات کو دیکھتے ہیں جو انسان کے لئے قدم قدم پر موجود ہیں، اس مرکزیت اور مقصودیت کو دیکھتے ہیں جو انسان کو زمین کی اس بساط پر حاصل ہے، اس وافر سامان کا جائزہ لیتے ہیں جو اس کی زندگی کے ایک ایک شعبہ کی تکمیل اور اس کی فطرت کے مخفی سے مخفی مطالبہ کے کی تعمیل کے لئے زمین کے اس فرش پر پھیلا ہوا ہے، اس رہبری اور رہنمائی کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اس کی زندگی کے ہر موڑ پر اس کے لئے موجود ہے تو ہماری عقل باور نہیں کرتی کہ اس مہتم بالشان انسان کی زندگی بھی بے مقصد ہے وہ جانوروں اور حشرات الارض کی سطح سے بلند نہیں اور یہ کہ اس کے لئے ان اصولی اور زندگی کے مرکزی سوالات کے بارے میں کسی رہبری اور رہنمائی کا انتظام نہیں، اور اس کے شعبہ روحانی کی تکمیل کا کوئی سامان نہیں،

پھر ہم کائنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو نظر آتا ہے کہ

وہ انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ مجموعی حیثیت سے مکمل ہے، اس کے اجزا ایک دوسرے سے مل کر یہ مجموعہ بناتے ہیں جو ہر طرح مکمل ہے، ان میں سے کوئی ایک جز کی قائم مقامی نہیں کرسکتا، انسانی نظام بھی اسی تعاون اور اسی تقسیم عمل پر مبنی ہے،

اب ہم اسی ذہنی نقطہ پر ہوتے ہیں کہ ہم کو ایک طرف بطور خود ان مسائل* ہماری رہنمائی کے لئے خدا کی طرف سے انتظام ہونا چاہیئے، ساتھ ہی ساتھ ہمیں اس پر اصرار نہیں کہ انسانوں کا ہر فرد اس رہنمائی کے قابل ہو، اس لئے کہ یہ خالق کائنات کی سنت اور اس عالم کی فطرت کے خلاف ہے،

انبیاء کرام اس موقع پر ہمارے سامنے ایسے انسان آتے ہیں، جن کا دعوے ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ان مسائل میں ہماری رہنمائی کرسکتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس حکیم کائنات نے اس عالم کے بہت سے اسرار ہم پر فاش کئے ہیں اور ایک نیا عالم (عالم غیب[1]) ہم پر منکشف کیا، جس کو جب وہ ہمیں دکھاتا ہے، اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح تم اس عالم (عالم شہود) کو دیکھتے ہو، اس نے ہم کو اپنے دلی منشا پسندیدگی اور ناپسندیدگی اور احکام کا براہِ راست علم بخشا، اپنے اور تمہارے درمیان ہمیں واسطہ بنایا اور ہم پر اپنا کلام

* حل کرنے کے بارے میں [illegible]

[1] غیب اصطلاح میں اس حقیقت کو کہتے ہیں جس کا مجرد حواس یا عقل خالص سے ادراک نہ کیا جاسکے،

نازل کیا، یہ انبیاء کرام کا گروہ ہے،

ان دعوے کرنے والے انسانوں کے متعلق بطور خود ہم کو چند اور باتوں کا علم ہوتا ہے،

(۱) ان کے اخلاق نہایت بلند، ان کی سیرت بالکل بے داغ اور ان کی زندگی بالکل غیر مشتبہ ہے، کسی ادنیٰ سے ادنیٰ معاملہ میں ان کے متعلق کبھی جھوٹ اور غلط بیانی کا تجربہ نہیں ہوا، اور کبھی انہوں نے کسی معاملہ میں کسی کو دھوکا نہیں دیا ہے[1]

(۲) وہ نہایت کامل العقل، صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت انسان ہیں جو تمام معاملات میں صائب رائے، معتدل اور متوازن فہم رکھتے ہیں اور ان سے کبھی کوئی ایسی چیز سرزد نہیں ہوئی، جس سے ان کی صحت عقل، ہوشمندی اور توازنِ دماغی پر شبہ ہو[2]،

---

[1] پیغمبر اپنی قوم سے کہتا ہے، فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون (میں تمہارے لئے کوئی نیا اور اجنبی انسان نہیں ہوں) ایک اچھی خاصی عمر اس دعوے سے پہلے میں نے تم میں بسر کی ہے، تم نے مجھے اچھی طرح دیکھا بھالا ہے، کیا کبھی میں جھوٹ بولا، کیا کبھی میں نے تمہیں دھوکا دیا، اب دفعتہً مجھے کیا ہوگیا کہ میں اتنا بڑا جھوٹ بولوں اور تمہیں اتنا بڑا فریب دوں) .

[2] ما انت بنعمة ربك بمجنون (ن ع ۱) تم اپنے رب کے فضل سے کوئی دیوانے نہیں ہو) قل انما اعظکم بواحدة (باقی ص ۶۷)

(۳) وہ دنیا کے تمام معاملات میں (ان مسائل کے علاوہ) متوسط درجہ کے انسان اور معتدل سیرت کے لوگ ہوتے ہیں جن کو دوسرے دنیاوی مسائل اور علوم میں کسی امتیاز و تفوق، اور مہارت خصوصی کا دعوےٰ نہیں ہوتا[1]

(۴) وہ ان غیبی مسائل میں ایسے معلومات کا اظہار کرتے ہیں، جن کا ماخذ بداہتہً وہ علوم نہیں معلوم ہوتے جو اُن کے معاصر انسانوں کے پاس ہوتے ہیں[2] وہ اکثر اپنے زمانے کے اصطلاحی علوم سے ناواقف ہوتے ہیں[3] وہ علوم و فنون کی اصطلاحی زبان استعمال نہیں کرتے، ہر قسم کے تکلف و تصنع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦) ان تقوموا لِلّٰہ مثنیٰ و فرادیٰ ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنّۃ (سبا ع ۵) کہو میں تمھیں ایک بات کا مشورہ دیتا ہوں کہ خدا کے لئے دو دو کرکے اور فرداً فرداً کھڑے ہوا ور غور کرو کہ تمھارے اس رفیق پیغمبر کو کوئی سودا نہیں،

[1] قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ (کہف ع) کہو میں تمھی جیسا ایک انسان ہوں مجھ میں اور تم میں جو کچھ فرق ہے وہ محض وحی کا ہے، وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَیْھِمْ مِّنْ اَھْلِ الْقُرٰی

[2] تِلْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَا اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُھَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ ھٰذَا (ھود ع ۴) یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم وحی کے ذریعہ تم پر بھیجتے ہیں نہ تم ان کو جانتے تھے پہلے اور نہ تمھاری قوم

[3] وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون (عنکبوت ع ۵) تم نبوت سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اس کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل کو شک کرنے کا موقع تھا

سے پاک ہوتے ہیں[1]، حقیقت کا چشمہ جس طرح ان کے دل پر گرتا ہے، اسی طرح ان کی زبانوں سے رواں ہو جاتا ہے[2]

(۵) وہ ایک عرصہ تک کوئی دعوے نہیں کرتے نہ دوسروں کو یہ امید ہوتی ہے[3] اور نہ خود اُن کو توقع ہوتی ہے کہ وہ مستقبل میں اس منصب سے سرفراز کئے جانے والے ہیں[4]

(۶) وہ ابتدا ہی سے اخلاقی طور پر ممتاز اور اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ ہوتے ہیں، اور سلامت فطرت کا مکمل نمونہ ان میں

---

[1] وما انا من المتکلفین (ص ع ۵) میں تصنع سے بالکل کام نہیں لیتا۔

[2] وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (النجم ع ۱) وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا وہ محض وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے، قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی، کہو مجھے یہ حق نہیں کہ میں اس کو اپنی طبیعت سے بدل دوں میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔

[3] قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم ولا ادراکم بہ فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ، کہو اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں وہ پڑھ کر نہ سناتا اور نہ تمہیں وہ اس سے واقف کرتا اس لئے کہ میں تم میں ایک اچھی خاصی عمر تک ٹھیرا ہوا (اور میں نے نہ کوئی دعویٰ کیا نہ کوئی کتاب پیش کی)

[4] وما کنت ترجوا ان یلقی الیک الکتاب ولکن رحمۃ من ربک یہ تم کو خود بھی امید نہ تھی کہ تمہیں کتاب دی جائے گی لیکن یہ سراسر اللہ کی مہربانی ہے

نظر آتا ہے۔[۱]

(۷) ان کے علم میں دنیا کے علوم کی طرح تدریج نہیں ہوتی ، ان پر حق دفعتاً اور کاملاً منکشف ہوتا ہے، عمر اور علم کی زیادتی سے ان کے حقائق میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔[۲]

(۸) ان کو اپنے حقائق کی صحت کا اس درجہ یقین ہوتا ہے جس درجہ اہل علوم کو اپنے علوم کی صحت کا نہیں ہوتا ، وہ تمام حقائق ان کے لئے گویا حسی اور وجدانی ہوتے ہیں، جن میں کسی بحث اور مجادلہ سے ان کو کبھی شبہ نہیں پیدا ہوتا۔[۳]

(۹) ان کے ان مسائل غیب کے علاوہ جن کو وہ اصول موضوعہ کی طرح تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور جن کی عقل تنقید نہیں کرسکتی ، باقی اور تفصیلات اور مسائل کی عقل پوری

---

۱ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ (انبیاء ع) ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے سلامت روی بخشی تھی ، اور ہم ان سے پہلے سے واقف تھے اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ اللہ خوب واقف ہے کہ اس کی پیغامبری کا اہل کون ہے۔

۲ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء) کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں ان کو بہت بڑا اختلاف نظر آتا۔

۳ قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ (یوسف ع ۱۲) کہو یہ مرا راستہ ہے جس کی طرف میں علی وجہ البصیرۃ دعوت دیتا ہوں۔ قل انی علی بینۃ من ربی کہو میں اپنے رب کی طرف سے ثبوت پر ہوں۔

تائید کرتی ہے، اور ان میں اس کو بے شمار حکم اور مصالح نظر آتے ہیں، عبادات، اخلاق، اور معاملات، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کا وہ ایک نہایت حکیمانہ نظام پیش کرتے ہیں[1]۔ جس سے بہتر نظام دنیا کے حکما پیش نہیں کرسکے، اور اس سے بہتر نظام دنیا کے تجربہ میں نہیں آیا۔

(۱۰) جن لوگوں نے ان کے اصول اولیہ تسلیم کرکے ان کی تعلیمات کو قبول کیا وہ عملی اور اخلاقی حیثیت سے اپنے معاصرین اور عام انسانوں میں بہت ممتاز اور بلند سیرت بن گئے، ان کا سا حسن سیرت، ان کی سی پاکیزگی اخلاق، ان کی جامعیت، اور ان کا سا توازن و اعتدال، ان کی سی خدا ترسی، اور حق شناسی، دوسری اخلاقی و اصلاحی تعلیمات میں کے پیروؤں میں نظر نہیں آتی[2]۔

(۱۱) وہ مستقل علم غیب کے مدعی نہیں ہوتے، وہ ہر بات

---

[1] وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ ع ۱) پیغمبر ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

[2] اس کی شاہد پیغمبروں کے ساتھیوں کی تاریخ اور ان کی سیرت ہے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں (صحابہ کرام) کی زندگی دنیا میں محفوظ ہے ان تمام اوصاف میں جن کا اوپر ذکر کیا گیا پیغمبروں کے بعد چشم فلک نے ان سے بہتر نمونہ نہیں دیکھا، قرآن اسی صفت کو لفظ تزکیہ (پاک کرنا اور مانجھنا) سے یاد کرتا ہے (ویزکیھم) پیغمبر اپنے ساتھیوں کو پاک کرتا ہے۔

کا جواب اپنی طرف سے ہر وقت نہیں دے سکتے[1] بلکہ "تنزیل اور" وحی " کے لئے ہمہ تن گوش اور سراپا چشم انتظار رہتے ہیں[2] اور ان کا اس پر کوئی اختیار نہیں ہو" تاکہ جس وقت چاہیں اور جس طرح چاہیں اس کو حاصل کر لیں، بعض اوقات یہ "تنزیل اور" وحی" ان کی خواہش، بعض اوقات ان کے قیاس اور عمل کے خلاف ہوتی ہے، اس میں ان پر عتاب بھی ہوتا ہے، نصیحت بھی ہوتی ہے[3]

(۱۲) ان کا اللہ سے بے حد خصوصی تعلق معلوم ہوتا ہے، خدا کی "تائید و نصرت اور کائنات کی طاقتیں ان کی پشت پر معلوم

---

[1] قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (انعام ع۶) کہو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے کہو کیا بینا اور نابینا برابر ہے کیا تم غور نہیں کرتے۔

[2] قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ (البقرہ ع ۱۷) آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف (وحی کے انتظار میں) اٹھنا دیکھتے ہیں۔

[3] اس کے متعدد شواہد قرآن مجید میں موجود ہیں ملاحظہ ہو آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ الخ آیت مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ الآیۃ (الانفال ع ۹) آیت يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (سورۂ تحریم ع ۱) سورہ عبس و تولّٰی اور ان کی تفسیر

ہوتی ہیں، ان کی مدد اور بعض اوقات ان کی صداقت کے اظہار کے لئے ایسے غیر معمولی واقعات پیش آتے ہیں، جو عالم کے عام قانون طبعی اور سلسلۂ اسباب کے خلاف ہوتے ہیں، اور انسانی ذہن و تجربہ خدا کی قدرت اور ان کی مقبولیت کے علاوہ ان کی ظاہری توجیہ و تعلیل سے قاصر ہوتا ہے، ان واقعات کے ظہور پر بھی ان کو کوئی اختیار نہیں ہوتا، اور لوگوں کی فرمائش کے باوجود بھی وہ اپنی مرضی سے ایسے واقعات ظاہر نہیں کر سکتے[1]

یہ انبیاء کرام کی جماعت اور ان کی خصوصیات ہیں، اور یہ ان کے دعوے کی شہادتیں اور قرائن ہیں، لیکن اس کی سب سے بڑی شہادت خود ان کی ذات اور سیرت ہوتی ہے، جو ایک طویل مسلسل اور ممتد معجزہ بلکہ صدہا معجزات کا مجموعہ ہوتی ہے اور اسی معجزہ پر انسانوں کی سب سے بڑی جماعت ایمان لاتی ہے،

دوسری بڑی شہادت ان کی تعلیم اور ان کا وہ صحیفہ ہوتا ہے

---

[1] وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (عنکبوت ع ۵) وہ کہتے ہیں کیوں نہ پیغمبر پہ معجزات اتارے گئے کہو کہ معجزات کا تعلق اللہ ہی سے ہے میں تو صرف ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (رعد ع ۶) کسی پیغمبر کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کوئی معجزہ ظاہر کرے سوائے اللہ کے حکم کے ہر وقت کا ایک نوشتہ ہے وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ (انعام ع ۴) اگر تم پر ان کی بے رخی ایسی ہی شاق ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو تم زمین میں سرنگ بنا کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لے آؤ۔

جو ان کا ایک زندہ جاوید معجزہ ہوتا ہے، اور جو صد ہا لفظی اور معنوی اصلی اور ذہنی داخلی اور خارجی معجزات پر مشتمل ہوتا ہے۔

اب غور کیجئے یہ ماننے میں کہ خدا نے اپنے کسی بندہ کو اپنے دوسرے بندوں تک اپنا پیغام اپنا کلام اور اپنے احکام پہنچانے کے لئے مقرر کیا اور ان کی رہنمائی اور رہبری کے لئے مامور کیا کونسا عقلی اشکال ہے، اور اس میں کونسی چیز ایسی ہے جو خلاف عقل ہے

کیا یہ خدا کی قدرت اور اس کے صفات اور ان کے مقتضیات کے خلاف ہے؟ لیکن ایسا بداہتہً نہیں، خدا کو علیم و خبیر صاحب ارادہ و اختیار، صاحب قدرت و طاقت ماننے کے بعد اس میں کیا اشکال باقی رہ جاتا ہے، بلکہ دراصل اس کا مقابل پہلو، خدا کی صفات اور ان کے مقتضیات کے منافی ہے خدا کی رحمت اور عدل کے یہ بالکل غیر مطابق ہے کہ وہ انسانوں کی اس بڑی آبادی کو قیاس و اشتباہ میں چھوڑ دے اور ان کی اس اہم رہنمائی، اور رہبری کا انتظام نہ کرے،

کیا یہ خدا کی عادت اور تاریخ کی شہادت کے خلاف ہے، یہ بھی صحیح نہیں، انبیاء کی ایک بڑی تعداد دنیا میں آئی، ہر اہم زمانہ اور اہم قوم میں انبیاء پیدا ہوئے اور ان کے خلاف کوئی عقلی ثبوت فراہم نہ ہوسکا، ان کے دعوے کے ساتھ صد ہا دلائل اور شواہد تھے مگر اس کے خلاف صرف زبانی دعوے تھا، جس کے ساتھ کوئی دلیل اور ثبوت نہ تھا،

کیا یہ حس اور تجربہ کے خلاف ہے؟ تو بے شک حواس

اور عام انسانی تجربہ نفس نبوت کی شہادت فراہم نہیں کر سکتا لیکن اس کے پاس ایسی چیزیں ہیں جن سے وہ اس کا کچھ قیاس کر سکتا ہے، اپنے معلومات پر غور کیجئے، پہلے (ابتدا ٕ عمر میں یا حالتِ جہل میں) ہم کو وہ حاصل نہ تھے اور ان میں سے بہت سے ہمارے اسلاف اور پیشروؤں کو بھی حاصل نہ تھے، لیکن تعلیم اور ایک نظام کے ماتحت وہ ہم کو حاصل ہوئے، اسی طرح انبیا ٕ کو علم نبوت اس مخصوص طریقہ سے جو اس کے شایانِ شان ہے حاصل ہوتا ہے،

یہی تینوں اشکالات ہیں جن کا قرآن کی ایک ہی آیت میں جواب دیا گیا ہے،

وما قدرُوا اللہَ حق قدرِہٖ اذ قالوا ما انزلَ اللہُ علٰی بشرٍ مِنْ شیئٍ قُل مَن انزلَ الکتابَ الذی جاءَ بہ موسٰی نوراً وھدًی للناسِ تجعلونہ قراطیسَ تُبدونھا وتُخفونَ کثیراً ۔ وعُلِّمتم ما لم تعلموا انتم ولا آباؤکم قُلِ اللہُ ثم ذرھم فی خوضِھم یلعبون (انعام ع ۱)

انھوں نے اللہ کو پوری طرح پہچانا نہیں جب انھوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری، کہو کس نے وہ کتاب اتاری جو موسٰی لے کر آئے تھے، روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے واسطے جس کو تم ورق ورق کرکے لوگوں کو دکھلاتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو علم دیا گیا، بہت سی ان باتوں کا جو تم نہیں جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا کہو کہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دو ان کو اپنی فضول باتوں میں کھیلتے رہیں،

اس آیت کے ابتدائی الفاظ میں کہا گیا ہے کہ جو رسالت و نبوت کا منکر ہے وہ در اصل خدا کی صفات سے ناواقف اور اس کو اس کی کامل معرفت حاصل نہیں، جس کو اس کی صفت ربوبیت، صفت رحمت، اور صفت عدل کا کچھ بھی اندازہ ہوگا اور جو اس کی اس عنایت و توجہ سے واقف ہوگا۔ جو ابتدا سے انسان کے حال پر ہے وہ رسالت کا انکار کبھی نہیں کر سکتا، جو ربوبیت کا ایک اہم ترین شعبہ رحمت کا ایک کامل ترین مظہر اور عدل الٰہی کا ایک روشن ثبوت ہے،

اس کے بعد کے حصہ میں نبوت کی ایک مشہور نظیر پیش کی گئی ہے، قل من انزل الکتاب الذی جاء به موسیٰ۔

اس کے بعد امکان نبوت پر ایک حسی اور تجربی دلیل دی گئی ہے اور وہ علم ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ معلومات کی کوئی انتہا نہیں اور ناواقفیت کے بعد واقفیت ہو سکتی ہے، پس حقیقتاً نبوت اور نبوت کے آثار و مظاہر میں کسی قسم کا کوئی عقلی اشکال نہیں، البتہ جو شخص اس بلند مقام پر نہیں ہے وہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا، اور اس کے لئے نبی پر اعتماد اور اس کی تقلید کے سوا چارہ نہیں،

اس مقام کے لحاظ سے اور اس کے آثار و خواص کے لحاظ سے پیغمبر اور غیر پیغمبر میں جو فرق ہوتا ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تمثیل کے ذریعہ سے بیان کیا جس سے بہتر نبوت کی تشریح اور اس سے زیادہ عام فہم تمثیل پیغمبروں کے کلام میں کبھی ہماری نظر سے نہیں گزری،

آپ ایک روز صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ اور عرب کا وہ نعرہ بلند کیا جو دشمنوں کے اچانک حملہ آور ہو جانے پر امداد

کے لئے بلند کیا جاتا تھا، اہل مکہ عرب کے دستور کے مطابق کام چھوڑ چھوڑ کر کوہ صفا کے نیچے جمع ہو گئے ؟ آپ نے پہلے ان سے فرمایا کہ تم نے آج تک مجھے کیسا پایا ؟ انھوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو ہمیشہ راست باز اور دیانتدار پایا، اس طرح آپ نے اس اہم حقیقت کا اظہار فرمایا کہ نبوت کے دعوے سے پہلے سیرت کی پاکیزگی اور عام صداقت و دیانت ضروری ہے۔

اپنے متعلق ان سے اتنا بڑا اعتراف کروانے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں تم کو یہ اطلاع دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو اچانک تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، کیا تم اس کو باور کرو گے ؟

اہل عرب ناخواندہ تھے، مگر عقل عام سے محروم نہ تھے، اتنی موٹی بات ان کی سمجھ میں آ سکتی تھی، کہ پہاڑ کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں، پہاڑ کی پشت اور دوسری طرف کا حصہ ہماری نگاہ سے اوجھل ہے، ایک شخص جو کبھی جھوٹ نہیں بولا پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے، پہاڑ کی دونوں طرف اس کی نگاہ یکساں کام کر رہی ہے، وہ اگر پہاڑ کی دوسری جانب کی کوئی اطلاع دیتا ہے تو اس کے غلط ہونے کی کوئی عقلی وجہ نہیں،

انھوں نے کہا کہ ہم اس کو یقیناً باور کریں گے،

اس لئے کہ آپ سچے اور امین ہیں اور اس وقت پہاڑ پر کھڑے ہوئے ہیں "

آپ نے فرمایا تو میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ خدا

کا عذاب (جس کو تم نہیں دیکھتے) عنقریب تم پر
آنے والا ہے"
یہ درحقیقت نبوت کی ایک تمثیل تھی، جس کے لئے آپ
نے یہ حکیمانہ پیرایہ اختیار کیا،
پس جو لوگ اس بلندی پر نہیں ہوتے وہ ان حقائق و
علوم کا جن کا پیغمبر اللہ کی تنزیل اور وحی سے اظہار کرتا ہے،
محض اپنے نہ دیکھنے یا علم نہ رکھنے کی بنا پر یا محض قیاس و تخمین کی
بنیاد پر انکار نہیں کر سکتے، وہ صرف اپنے مشاہدے اور اپنے
علم کی نفی کر سکتے ہیں، لیکن (بقول امام ابن تیمیہ) عدم علم اور
علم عدم (یعنی نہ جاننا اور یقین کے ساتھ یہ جاننا کہ نہیں
ہے) ان دونوں میں بڑا فرق ہے، اور جہاں تک علم کا تعلق ہے
پیغمبر کی اطلاع علم کا بہترین ذریعہ ہے،
جب ایسے لوگ جن کو نبوت اور ماوراء حس و عقل حقائق
و اسرار کا کوئی ادراک نہیں، پیغمبر سے اس کی غیبی بصیرت اور
اس کے مشاہدات کے بارہ میں بحث اور حجت کرتے ہیں تو وہ
تنگ ہو کر ان سے کہتا ہے :-

أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ (انعام ع ۹)	کیا تم مجھ سے اللہ کے بارہ میں بحث و حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے راستہ دکھایا اور حق سمجھایا،

جو کچھ پیغمبر نے دیکھا اور جو کچھ وہ دیکھتا ہے اس کو نہ دکھا
سکنے اور وہ یقین جو اس کو حاصل ہوتا ہے، نہ پیدا کر سکنے کی

مجبوری کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے،

قال یٰقوم ارءیتم ان کنت علی بینۃ من ربی واٰتٰنی رحمۃ من عندہ فعمیت علیکم انلزمکموھا وانتم لھا کرھون (ھود ع ۳)

اس نے کہا کہ اے قوم دیکھو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشنی اور یقین پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی پھر وہ تمہاری نظر سے مخفی رہی، کیا ہم تم کو اس پر مجبور کر سکتے ہیں حالانکہ تم اس کو پسند نہیں کرتے،

ایسے عام لوگوں کے اچھے خاصے حواس (جو اپنے محسوسات کا پورا ادراک کرتے ہیں) اور ان کی عقل (جو اپنے دائرہ میں پورا کام کرتی ہے) علوم نبوت کے ادراک میں بالکل ناکارہ اور کند ثابت ہوتی ہے،

بل ادّٰرک علمھم فی الاخرۃ بل ھم فی شک منھا بل ھم منھا عمون (نمل) یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا وھم عن الاخرۃ ھم غفلون۔

بلکہ ان کا علم تھک کر گر گیا آخرت کے بارہ میں بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے نابینا ہیں۔ دنیاوی زندگی کے ظاہری مسائل کا وہ علم رکھتے ہیں اور آخرت سے وہ بے خبر ہیں۔ (روم ع ۱)

اگر وہ ان مسائل میں کوئی گفتگو کریں بھی تو اس کی بنیاد کسی یقین اور مشاہدہ پر نہیں ہوتی، وہ محض ان کی قیاس آرائی ہوتی ہے۔

وما لھم بہ من علم ان | ان کو اس کا کوئی علم نہیں وہ محض گمان

یتبعونَ الا الظنَّ وَاِنَّ الظن لا یُغنی من الحق شیئاً (النجم ع ۲) | کی پیروی کرتے ہیں اور گمان حقیقت کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

انبیاء کرام کی تعلیمات | اب ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبروں نے اللہ کی ذات و صفات، اس کی مخلوقات اور اس کائنات اللہ کے اس سے تعلق اور اس کے اللہ سے تعلق، اس کی حقیقت، اس کے انجام، انسان کی زندگی کی غرض و غایت اور اس کے کمال مطلوب سے متعلق کیا معلومات بخشی ہیں، اور تمدن و اجتماع اور اخلاق کی کونسی اساس عطا کی ہے، پھر ہم دیکھیں گے کہ اس اساس پر انسانی زندگی کی جو عمارت تعمیر ہوتی ہے اس کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں؟

یاد رہے کہ فلاسفہ اور اشراقیوں کے برخلاف اس بارہ میں پیغمبروں کی تعلیمات بالکل متحد ہیں، ان کے بیانات میں کوئی اختلاف نہیں، اس موقع پر مناسب تھا کہ مختلف پیغمبروں کے صحیفوں کے بیانات اور اقتباسات پیش کئے جاتے، لیکن ان میں سے اکثر صحیفوں کے ضائع ہوجانے اور باقی کے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے (جیسا کہ ان کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے) تحقیق و جستجو کے بعد بھی ان مسائل پر زیادہ مواد پیش نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ہم صرف آخری صحیفۂ آسمانی قرآن مجید کے اقتباسات پیش کرتے ہیں، جو ان سب کتابوں کا محافظ و نگراں ہے، اور ان سب کی نمائندگی کے لئے کافی ہے،

خالقِ کائنات اور کائنات

خدا کی صفات اور اس کے کام | ھُوَ اللّٰہُ الذی | وہ اللہ ہے جس کے سوا

لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة هو الرحمن الرحیم ۔ هو الله الذی لا اله الا هو الملک القدوس السلام المؤمن المهیمن العزیز الجبار المتکبر سبحن الله عما یشرکون هو الله الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنی یسبح له ما فی السموات والارض وهو العزیز الحکیم (الحشر ع ۳)

کسی کی بندگی نہیں، وہ بادشاہ ہے، پاک ذات سب عیبوں سے سالم، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا زبردست دباؤ والا۔ صاحب عظمت، پاک ہے اللہ اس کے شریک بتلانے سے وہ اللہ ہے بنانے والا، نکال کھڑا کرنے والا، صورت کھینچنے والا اس کے ہیں سب نام عمدہ، پاکی بول رہا ہے، اس کی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا۔

دنیا کی پیدائش اور اس کا انتظام

ان ربکم الله الذی خلق السموات و الارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش یغشی الیل النهار یطلبه حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر تبارک الله رب العلمین (اعراف ع ۷)

بے شک تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر متمکن ہوا، اڑھاتا ہے رات پر دن کو کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے، دوڑتا ہوا، اور پیدا کئے سورج چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابعدار سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہانوں کا۔

خدا کی بادشاہی اور اسکی طاقت و فرمانروائی

قل من یرزقکم

پوچھو کون تم کو روزی دیتا ہے آسمان سے اور زمین سے یا کون مالک ہے،

من السماء والارض امن يملك
السمع والابصار ومن يخرج
الحي من الميت ويخرج الميت
من الحي ومن يدبر الامر فسيقولون
الله فقل افلا تتقون (يونس ع۴)

قل لمن الارض ومن فيها ان
كنتم تعلمون سيقولون لله
قل افلا تذكرون قل من
رب السموات السبع ورب
العرش العظيم سيقولون لله
قل افلا تتقون قل من بيده
ملكوت كل شيء وهو يجير
ولا يجار عليه ان كنتم تعلمون
سيقولون لله قل فانى
تسحرون - (مومنون ع۵)

وله ما في السموات والارض
وله الدين واصبا افغير الله
تتقون ۔ (النحل ع ۷)

افغير دين الله يبغون
وله اسلم من في السموات
والارض طوعا وكرها

کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے،
زندہ کو مردہ سے اور کون نکالتا ہے مردہ
کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں
کی وہ یہی کہیں گے کہ اللہ، کہو پھر کیوں
نہیں ڈرتے۔

کہو کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں
ہے اگر تم جانتے ہو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ کی
کہو پھر کیوں نہیں سوچتے، کہو کون مالک
ہے ساتوں آسمان کا اور مالک ہے
اس بڑے عرش کا وہ اللہ ہی کو بتائیں
گے، کہو پھر کیوں نہیں ڈرتے، کہو
کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی
اور وہ بچا لیتا ہے اور اس کو کوئی نہیں
بچا سکتا وہ اللہ ہی کو بتائیں گے کہو پھر
کہاں تم پر جادو ہے، کہو اسی کے لئے
ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور
اس کی فرمانروائی ہے ہمیشہ کیا اللہ کے
سوا کسی اور سے ڈرتے ہو۔

کیا اللہ کی تابعداری کے سوا کچھ اور
ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اس کے سامنے
سر افگندہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے

والیہ ترجعون ۝ (آل عمران ع ۱۰)

خوشی یا لاچاری سے اور اس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

یہ کارخانہ عالم عبث پیدا نہیں کیا گیا اور اس کی آفرینش بے مقصد و بے فائدہ نہیں

وما خلقنا السماء والارض وما بینہما باطلاً (ص ع ۲)

ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو بیکار و ناحق پیدا نہیں کیا۔

اِنَّ فی خلقِ السموٰتِ والارضِ واختلافِ الیلِ والنہارِ لاٰیٰتٍ لاولی الالبابِ ۝ الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلقِ السموٰتِ والارضِ ربنا ما خلقتَ ھذا باطلاً (آل عمران ع ۲۰)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن اور رات کے الٹ پھیر میں بڑی نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے جو اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں، کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور ان کو دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں) کہ اے ہمارے پروردگار تو نے اس کو بیکار نہیں پیدا کیا۔

انسان کی زندگی بھی بے مقصد نہیں وہ اس دنیا میں آزاد نہیں

ایحسب الانسانُ ان یترک سدیً (قیٰمہ ع ۲)

کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ آزاد و بیکار چھوڑ دیا جائے گا

افحسبتم انما خلقنٰکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون (مومنون ع ۶)

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بیکار ہی پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم لوٹ کر ہمارے پاس نہ آؤ گے۔

موت و زندگی کا مقصد انسان کی آزمائش ہے

الذی خلق الموتَ والحیوٰۃَ لیبلوکم ایکم احسنُ عملاً (الملک ع ۱)

وہ اللہ جس نے موت اور زندگی کو اس لئے بنایا کہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے سب سے اچھا کون ہے۔

ثم جعلنکم خلائف من بعدِ ھم لننظر کیف تعملون ہ

پھر ہم نے تم کو (گذشتہ نسلوں کا) جانشین بنایا ان کے بعد تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔

دنیا کی آرائش انسان کے امتحان کے لئے ہے	انا جعلنا ما علی الارض

زینۃً لھا لنبلوھم ایھم احسن عملاً (کہف ع ۱)

بے شک ہم نے زمین کی چیزوں کو اس کی زینت بنایا تاکہ ہم اہل زمین کو آزمائیں کہ ان میں کس کا عمل سب سے اچھا ہوتا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے

ولقد کرمنا بنی ادم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا (بنی اسرائیل ع ۷)

ہم نے آدم کی اولاد کو بڑی عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سوار کرایا اور ہم نے ان کو پاک اور لذیذ چیزیں عطا کیں اور ان کو اپنی بہت سی مخلوق پر اچھی خاصی فضیلت دی۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (والتین ع)

ہم نے انسان کو بہترین اندازے پر پیدا کیا۔

انسان زمین پر خدا کا نائب ہے	واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل

فی الارض خلیفۃ (بقرع)

جبکہ تمھارے پروردگار نے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں۔

انسان اللہ کے خزانوں کا اللہ کی طرف سے امین ہے	وانفقوا مما جعلکم

مستخلفین فیہ (حدید ع ۱)

اور خرچ کرو اس میں سے جو اس نے تمھارے ہاتھ میں دیا ہے اپنا نائب کرکے،

زمین پر جو کچھ ہے وہ انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے | ھو الذی خلق لکم ما
فی الارض جمیعاً۔

اور انسان خود خدا کی بندگی کے لئے ہے | وما خلقت الجن والانس
الا لیعبدون۔ ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون
(الذٰریٰت ع ۳)

اللہ کی پیدا کی ہوئی نعمتیں انسان کے استعمال ہی کیلئے ہیں | قل من حرم زینۃ اللہ التی
اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیٰمۃ
(اعراف ع ۳)

کھانا پینا گناہ نہیں اسراف گناہ ہے | وکلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ
لا یحب المسرفین (اعراف ع ۳)

تمام انسان ایک انسان کی نسل ہیں ایک دوسرے پر فضیلت صرف تقویٰ سے ہو سکتی ہے، | یا ایھا الناس انا خلقنٰکم انثیٰ وجعلنٰکم شعوباً و

وہ ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے جو کچھ زمین میں ہے،

میں نے جن و انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں میں ان سے کسی رزق کا طلب گار نہیں نہ اس کا امیدوار ہوں کہ مجھے کھلائیں۔

کہو کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے بندوں کے لئے پیدا کی اور کھانے پینے کی پاک صاف چیزیں کہو یہ سب نعمتیں اہل ایمان کے لئے ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خالص انھی کے لئے ہیں،

اور کھاؤ پیو اور حد سے نہ بڑھو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا،

اے لوگو ہم نے تم کو ایک ہی مرد و عورت (آدم و حوا) سے پیدا کیا اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو،

فبأ ئل لتعارفوا ان اکرمکم
عند الله اتقاکم

دوسری زندگی ،

اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہو جس میں اس دنیا کے اعمال کی جزا ملے گی اور ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا

ان الینا ایابهم ثم ان علینا حسابهم ۔

الیه مرجعکم جمیعا وعد الله حقا انه یبدی الخلق ثم یعیده لیجزی الذین آمنوا وعملوا الصلحت بالقسط ۔

ونضع الموازین القسط لیوم القیمة فلا تظلم نفس شیئا و ان کان مثقال حبة من خردل اتینا بها وکفی بنا حاسبین ۵

(انبیاء ع ۴)

فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره (زلزال)

اس دنیا کی زندگی بے حقیقت اور فانی ہے اور آخرت کی زندگی حیات جاودانی ہے

وما هذه الحیوة الدنیا الا لهو

یہ دنیا کی زندگی محض

اللہ کے یہاں عزت اسی کی ہے
جس کو اس کا بڑا ادب ہے ،

ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے ، پھر ہمارے ذمہ ان کا حساب کتاب ہے ،
(الغاشیہ)

اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے
یہ اللہ کا ٹھیک ٹھیک وعدہ ہے
وہ پیدائش شروع کرتا ہے ،

اور ہم انصاف کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کچھ ہوگا تو ہم اس کو قیامت کے دن لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے کے لئے کافی ہیں ،

جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کو دیکھے گا ،

ولعبٌ وان الدار الاخرة لهي الحیوانُ لوکانوا یعلمون (عنکبوت ع)

کھیل تماشہ ہے اور آخرت کی زندگی ہی زندگی جاودانی ہے اگر وہ جاہیں،

تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً والعاقبۃ للمتقین (القصص ع ۸)

آخرت میں انجام نیک ان لوگوں کا ہے، جو اس دنیا میں اپنی بڑائی اور بگاڑ نہیں چاہتے

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو (اس دنیا کی زندگی میں) زمین پر اپنی بڑائی اور بگاڑ نہیں چاہتے اور انجام نیک خدا سے ڈرنے والوں کا ہے،

انبیاءِ کرام کی تعلیمات کے نتائج

اور اسلامی زندگی کے خصوصیات

یہ خالق کائنات، کائنات، زندگی، انسان، ان کے انجام، ان کی نشات ثانیہ کے متعلق وہ علوم اور حقائق و مسلمات ہیں جو پیغمبر کے ذریعہ انسانوں کو حاصل ہوتے ہیں، اس علمی، ذہنی، اور اخلاقی اساس پر زندگی کی جو عمارت تعمیر ہوتی ہے اس کے نقشہ اور تفصیلات کے بارہ میں قیاس کرنا کچھ مشکل نہیں جس طرح ایک بیج کو دیکھ کر ایک پہچاننے والا انسان آسانی سے پیشگوئی کرسکتا ہے، کہ اس سے کونسا درخت تیار ہوگا، اس کی کیسی پتیاں ہوں گی، اور اس میں کونسا پھل ظاہر ہوگا، اور ایک

عالم نباتات یا طبیب اس کے خواص و اثرات اور اس کے اجزا کے متعلق تفصیلی اطلاع دے سکتا ہے، اسی طرح وہ لوگ جو اس حقیقت پر نظر رکھتے ہیں کہ اس عالم، اس کے نظام، اس کے آغاز و انجام، مقصد زندگی، منصب انسانی اور ایسے ہی دوسرے بنیادی اور کلی مسائل کے متعلق کوئی خاص عقیدہ اور نظریہ زندگی کی دوسری تفصیلات پر کس قدر اثر انداز ہوتا ہے، وہ آسانی کے ساتھ اس تمدن کے خط و خال تجزیہ کر سکتے ہیں، جو اس بنیاد پر قائم ہوگا،

حسی، عقلی، اشراقی، اور اس الہامی تعلیمات اور تمدن کی بنیاد و اصول میں جو تناقض ہے، اس کی طرف آپ کو متوجہ کرنے کی ضرورت نہیں، یہ تناقض جس طرح اجمال میں ہے اسی طرح تفصیل میں بھی ہے، جس طرح آم کی گٹھلی اور املی کے بیج میں اختلاف ہے، اسی طرح اس کی پتیوں اور ان کے پھل میں اختلاف ہوگا، اور یہ اختلاف ان درختوں کے بڑھنے اور پھیلنے اور بڑے ہونے سے دور نہیں ہو سکتا، اگر آپ ایسے "متناقض الاصل" نظام حیات میں کوئی جوہری مشابہت دیکھیں تو سمجھ لیجئے کہ یا تو آپ نے جو اس کی اصل اور بنیاد قرار دی ہے، اس میں آپ سے غلطی ہوئی، یا اس تمدن میں کسی دوسرے شجر حیات کا قلم باندھ گیا ہے، اور ایسا ممکن ہے کہ ایسا مرکب درخت دو قسم کے پھل دے خود الہامی تمدن کے ساتھ بارہا ایسا پیش آیا ہے، کہ اس میں حسی یا اشراقی تمدن کا پیوند لگا دیا گیا ہے، اسلام کی تاریخ میں متعدد بار

یہ واقعہ پیش آیا، خلافت راشدہ کے بعد اس درخت میں کبھی جاہلیت
عرب کا، کبھی ملوکیت عجم کا اور کبھی یونانی اور ایرانی اشراقیت کا
اور کبھی مادہ پرستانہ حسّی طرزِ زندگی کا قلم باندھا گیا، اسی مرکب درخت
کو عام طور پر اسلامی تمدن[1] اور اسلامی تہذیب کہا جاتا ہے اور اسی

---

[1] اسلامی تمدن کا لفظ عام طور پر جب بولا جاتا ہے تو ذہن فوراً دمشق،
وبغداد، قرطبہ وغرناطہ، اصفہان وسمرقند اور دہلی ولکھنؤ کی طرف منتقل
ہوتا ہے، اور آنکھوں کے سامنے ایک خاص طرزِ تعمیر پھر جاتا ہے (جس
کو اسلامی فنِ تعمیر کہا جاتا ہے) جس کے نمونے بادشاہوں کے شاندار محل
خوبصورت حرم سرائیں، وسیع ڈیوڑھیاں اور نوادرِ روزگار مقبرے ہیں
اسی طرح مسلمانوں کی خوش ذوقی اور زندہ دلی کے مختلف مظاہر فنونِ لطیفہ
کی سرپرستی اور شہروں اور دارالسلطنتوں کی آزاد و پرعشرت شہری زندگی
کے مناظر تازہ ہو جاتے ہیں، حالانکہ ان میں سے بہت سی چیزیں مسلمان
بادشاہوں اور امراء کے بگاڑ، اسراف اور اصول و احکام اسلام سے
انحرافات اور بعض اوقات تحریف کی یادگاریں ہیں، جو اگر وہ شریعت کے
احکام کی پابندی کرتے۔ تو وجود ہی میں نہ آتیں اور جب کبھی اسلامی تمدن
اپنی پوری روح اور جسم کے ساتھ موجود ہوگا، تو یہ چیزیں ناپید ہوں گی۔
اسلام میں غیر ضروری تعمیرات جن کا مقصد شان وشوکت کے اظہار عیش
وعشرت یا شہرت اور یادگار کے سوا کچھ نہ ہو، ناپسندیدہ ہیں، مقبرہ
بنوانا تو خالص غیر اسلامی عمل و اسراف کے علاوہ شرعی نقطۂ نگاہ سے
بھی ایک ناجائز کام ہے، اسلام اس کو بالکل ناجائز اور خلافِ انصاف
سمجھتا ہے، کہ آدمی مرنے کے بعد بھی زمین کے ایک بڑے حصہ پر بے ضرورت

کے پھلوں پر ہمارے بعض مسلمان مصنف و مورخ فخر کرتے ہیں۔
لیکن اگر یہ عمل "تلقیح (پیوند بندی) پیش نہ آئے اور دو مختلف النوع درختوں کو علیحدہ علیحدہ نشو و نما حاصل کرنے کا موقع دیا جائے تو ان

(بقیہ حاشیہ صد ۸۸) "قابض رہے، اور اس کے مقبرہ کی اینٹوں اور دیواروں اور آرائش پر وہ روپیہ ضائع ہوا جو سینکڑوں آدمیوں کے سر چھپانے کے کام آ سکتا تھا، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے، نیک عمل، صالح اولاد یا صدقۂ جاریہ کے علاوہ کسی اور طریقہ پر دنیا میں اپنا نام زندہ رکھنے کی کوشش جاہلیت کی ایک یادگار ہے،

اسی طرح موسیقی کی ہمت افزائی اور سرپرستی کے بجائے اگر کہا جائے کہ اسلام نے اس کی ہمت شکنی اور ناقدری کی ہے، تو صحیح ہوگا، مصوری اور بت تراشی اس کی شریعت میں حرام ہیں، ریشم کا استعمال مردوں کے لئے ناجائز ہے، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال ممنوع ہے اور وہ تمام چیزیں جو زندگی میں غفلت، دنیا میں انہماک اور عیش و تنعم پیدا کریں، اس کے تمدن میں ان کی روک تھام کی گئی ہے، اور ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا، حدیث میں آتا ہے، ان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین، اللہ کے بندے عیش و عشرت کے بندے نہیں ہیں،

حقیقت میں جس کو اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب کہا جاتا ہے اور جس پر ایک عرصہ سے ہمارے قومی مصنف اور مورخ فخر کرنے کے عادی ہیں اور جس کو وہ موجودہ مغربی تمدن کے مقابلہ میں پیش کر کے ایک فاتحانہ مسرت محسوس کرتے ہیں، وہ مسلمان بادشاہوں اور مسلمان کہلانے والی قوموں کا طرز زندگی ہے اور اس کو اسلام سے صرف اتنا تعلق ہے کہ اس کے نمائندے اپنے کو مسلمان کہتے تھے اور بہت سے اسلامی فرائض و احکام کے بھی پابند تھے،

ہیں اتحاد کا کوئی امکان نہیں، اوران میں اس کے سوا کوئی مابہ الاشتراک شے نہ ہوگی کہ وہ دونوں درخت ہیں اور اسی زمین پر قائم ہیں' بعینہ اسی طرح ان دونوں تمدنوں میں ان ظاہری اشتراکات کے سوا اوران کے نمایندوں میں (اگر وہ اس کی روح کے حامل ہوں) انسان کی منطقی تعریف کے سوا (کہ وہ حیوان ناطق ہے) اور کوئی قدر مشترک نہیں مزید براں دونوں کا نظام صحت، دونوں کے اسباب ترقی اور دونوں کے معاون ایک دوسرے سے مختلف اور بعض اوقات متصادم ہوں گے" الہامی تمدن کے لئے جو حالات ترقی اور فروغ کا باعث ہیں، حسی اور مادی تمدن کے لئے وہ زوال وانحطاط کا سبب ہوں گے، حسی تمدن کے لئے جو باتیں باعث فخر ہوں گی، الہامی تمدن کو اس میں ننگ و عار محسوس ہوگا، ایک کا موسم بہار دوسرے کے حق میں فصل خزاں ہے، ایک کے حق میں جو چیز آب حیات کا کام دیگی وہ دوسرے کے حق میں سم قاتل ہوگی،

اب ذرا اس الہامی تمدن کے عناصر ترکیبی کا تجزیہ کرکے دیکھئے کہ ان کا انسان کی عقلیت و نفسیت اور اس کے اخلاق و اجتماع پر کیا انقلاب انگیز اثر پڑتا ہے،

سب سے پہلے وہ اس عالم کے متعلق یہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ نہ کوئی بے بادشاہ کی سلطنت ہے، نہ چند بادشاہوں کی مشترک سلطنت ہے، بلکہ اس کا ایک ہی مالک ہے، جو اس کا خالق و صانع بھی ہے، اور اس کا منتظم و حاکم بھی، خلقت بھی اس کی ہے، ملک بھی اس کا ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔ (لہ الخلق والامر) اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے

اسی کے حکم اور اسی کی قدرت سے ہوتا ہے، حقیقی علت اس کا ارادہ اور اس کی قدرت ہے، یہ ساری کائنات تکوینی طور پر (جس کا تعلق عالم کے نظم ونسق سے ہے) اس کے سامنے سرافگندہ اور اس کے احکام کی مطیع ہے، (ولہٗ اسلم من فی السموات والارض) پس وہ مخلوقات جو صاحب ارادہ واختیار ہیں ان کو بھی اس کے سامنے سر جھکا دینا چاہیئے، (الا للہ الدین الخالص)

اس کا سب سے پہلے ذہنی اثر یہ پڑتا ہے، کہ سارے عالم میں ایک مرکزیت وتنظیم (بظاہر) منتشر اجزاء عالم میں ایک ربط اور قانون میں ایک وحدت نظر آنے لگتی ہے، اور انسان زندگی کی مکمل توجیہ کرسکتا ہے، اور اس کا فکر اور رویہ اس کائنات کے بارہ میں حکمت وبصیرت پر مبنی ہوتا ہے[1]،

---

[1] فلسفہ بھی مذہب کے اس مخصوص اثر کو تسلیم کرتا ہے، اور اس کو اس بارہ میں اپنی عاجزی کا اعتراف ہے،

فلسفہ جدید کا جرمن مورخ (ڈاکٹر ہرلڈ ہوفڈنگ) لکھتا ہے :-

"کسی توحیدی مذہب کی اساس فکر یہ ہوتی ہے، کہ تمام اشیا کی ایک واحد علت ہے، ان مشکلات سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اس خیال سے لازماً پیدا ہوتی ہیں، اس کا ایک اہم اور مفید اثر انسانی طبائع پر ہوتا ہے، کہ ان کو اختلافات اور تفصیلات سے نظر انداز کرکے ایک قانون کے مطابق تمام اشیائے عالم کو مربوط اور منضبط سمجھنے کی عادت ہوجاتی ہے، علت کے ایک ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ قانون بھی

اخلاق وعمل پر اس کا اثر اس سے زیادہ اہم اور انقلاب انگیز ہے اس کے دل ودماغ سے اپنی خود مختاری اور اللہ کی اس سلطنت میں حکومت خود اختیاری کا جذبہ اور خیال (جو شر ور وفسادات نزاع و تصادم کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے) نکل جاتا ہے، وہ اس زمین کے باشندوں کو دولت کے خزانوں کو اور خود اپنی طاقتوں اور اپنے جسم و اعضاء کو اپنی ملک نہیں سمجھتا، بلکہ خدا کی امانت سمجھتا ہے، اور اس کی اجازت اور اس کے قانون کے خلاف ان کے استعمال اور ان میں تصرف کرنے سے ڈرتا ہے، وہ اپنے سے ایک بلند و بالا طاقت کے مقابلے میں اپنے کو محکوم اور ایک بڑی عدالت کے سامنے اپنے کو جواب دہ سمجھتا ہے، ان اعتقادات وتسلیمات کا اخلاق وعمل کی جزئیات اور زندگی کی تفصیلات پر جو اثر پڑتا ہے، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اس عالم اور زندگی کے بامقصد ہونے کا خیال اور انسان کے

(بقیہ حاشیہ صہ ۹۱) ایک ہو، لہٰذا منتوسطہ نے یہ خیال لوگوں کے ذہن نشین کرایا، جس سے غیر مہذب انسان مذاہب کی کثرت سے مغلوب اور مایل بہ تکثیر ہو کر بہت دور رہتا ہے سائنس ہی توحید کا خیال انسان کو سائنس کے نظریہ کائنات کے لئے تیار کرتا ہے، کیونکہ تمام سائنس میں یہی کوشش کی جاتی ہے، کہ مظاہر کی توجیہ کم سے کم اصولوں سے کی جائے گو اس کو اس کا اعتراف کرنا پڑے کہ کسی ایک اعلیٰ ترین قانون کا تصور ایک ناقابل حصول نصب العین ہے"
(تاریخ فلسفہ جدید ترجمہ ڈاکٹر عبد الحکیم ص ۵)

آزاد نہ ہونے کا اعتقاد اس میں اپنی ذمہ داری کا احساس اور زندگی کی حقیقی قیمت کا شعور پیدا کرتا ہے، اس کو زندگی کا ایک ایک لمحہ اور اپنی عمر کی ایک ایک سانس غنیمت معلوم ہوتی ہے، اور وہ ان کو ضائع نہیں کرنا چاہتا، مگر ان کی قدر اس کو اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ عیش و تفریح کے لئے زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہ کرے بلکہ اس لئے کہ وہ زندگی جاوید کے لئے جو اس کو مرنے کے بعد حاصل ہوگی، اپنی راحت کا سامان کرے،

وہ زندگی اور اس دنیا کی آرائش و زیبائش کو امتحان و آزمائش سمجھتا ہے، اس لئے وہ اس دنیا کو ایک وسیع تفریح گاہ اور اس زندگی کو ایک طویل فرصت عیش سمجھنے کے بجائے اس دنیا کو ایک امتحان گاہ سمجھ کر قدم رکھتا ہے، اس کا ہر قدم سوچ سمجھ کر پڑتا ہے، وہ ہر کام دیکھ بھال کر کرتا ہے، اس پر کسی وقت مدہوشی اور خود فراموشی طاری نہیں ہوتی،

حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ سے کسی نے فرمائش کی کہ وہ حضرت عمرؓ کی تعریف کریں، انھوں نے کہا کہ وہ ایسے خائف اور ہوشیار پرندہ کی طرح رہتے تھے، جس کو یقین ہے کہ ہر راستہ پر اس کے لئے جال بچھے ہوئے ہیں،

اس زندگی کو بے حقیقت اور فانی اور موت کے بعد کی زندگی کو ابدی اور جاودانی سمجھنے کا عقیدہ اس دنیا کو اس کی تمام دلچسپیوں اور توجہات کا مرکز بننے سے مانع ہوتا ہے، اس لئے اس زندگی کی کامیابی کے معیار، اشیاء و اعمال کے متعلق اس زندگی کا مادّی نقطۂ نظر

اخلاق کی یہ دنیاوی قدر وقیمت ان کی نظر میں اصل اور دائمی نہیں ہوتی، اس کے لئے اشیاء واخلاق کے وزن کرنے اور ان کی تقویم کے لئے دوسری میزان اور دوسرا مقوم ہوتا ہے، اور وہ ان کا دینی نفع اور اخروی اجر ہے،

ان کو اس دنیا کے عیش ولذت میں کبھی انہماک نہیں ہوتا، ان میں اس زندگی کو زیادہ سے زیادہ پُر راحت اور آسان بنانے کے لئے کبھی جذبہ مسابقت پیدا نہیں ہوتا (جو تمام اقتصادی اخلاقی اور اجتماعی خرابیوں کا اصل سبب ہے) وہ بادشاہی میں ہی ایسی زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں، جس کی مثال "تارک الدنیا راہب اور صحرانشین زاہد بھی نہیں پیش کر سکتے"،

حضرت عمر رضؓ کے زہد کے واقعات آپ نے سنے ہوں گے کچھ پُر تکلف کھانے کے لئے اگر کوئی سفارش کرتا تو فرماتے کہ مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے، کہ کہیں قیامت میں مجھ سے یہ نہ کہا جائے کہ اذھبتم

لہ اس عقیدہ کا جو اثر انسان کے اعمال واخلاق پر پڑتا ہے، اس کی وسعت اور گہرائی کا اعتراف مادی علماء اخلاق کو بھی ہے، لیکی "تاریخ اخلاق یورپ" میں لکھتا ہے:-

" اگر انسان واقعی یہ سمجھ لے کہ اسے اپنے اعمال کا معاوضہ ایک دائمی عذاب یا دائمی ثواب کی صورت میں کسی ہمہ داں اور ہمہ بیں حاکم کی عدالت میں ملے گا، تو یہ خیال نیک کرداری کا ایسا زبردست محرک ہوگا، جس کے سامنے ارتکاب معصیت کی کوئی "تاویل چل نہیں سکتی" (صـ ۱۳)

طیباتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا (تم اپنے سارے مزے دنیا میں اڑا چکے اوران کا لطف اٹھا چکے) کوئی اگر لذیذ کھانا پیش کرتا تو پوچھتے کہ کیا سارے مسلمان یہ کھاتے ہیں یا کھا سکتے ہیں، نفی میں جواب ملنے پر اس کو ہاتھ نہ لگاتے۔

بیت المقدس کا شاہانہ اور فاتحانہ سفر جس شان سے فرمایا وہ دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، سواری میں ایک اونٹ سر کھلا ہوا، پاؤں کے لئے رکاب بھی نہیں جو اونٹ کا نمگیرہ وہی سونے کا بستر، سامان کی جو خرجی وہی سر کا تکیہ، بدن پر گزی کا کرتہ جو پہلو پھٹا ہوا، اس شان سے وہ سفر کر رہا ہے، جو روئے زمین کا سب سے طاقتور بادشاہ ہے،

حضرت معاویہ رض نے حضرت علی رض کے ایک رفیق ضرار بن ضمرہ سے کہا کہ علی رض کا حال بیان کرو، انھوں نے معذرت کی، لیکن جب حضرت معاویہ رض نے اصرار کیا تو انھوں نے جو تعریف کی اس کے بعض فقرے آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ خلافت وحکومت میں بھی ان لوگوں کی کیا حالت تھی،

"ان کو دنیا اور اس کی بہار اور رونق سے وحشت ہوتی تھی، اور رات اور اس کی تاریکی میں دل بہلتا تھا، آنکھیں سیراشک رہا کرتی تھیں، ایک لنبے فکر اور سوچ میں رہا کرتے، لباس وہ پسند آتا جو موٹا ہو، کھانا وہ دل کو بھاتا جو معمولی اور سادہ ہو، بالکل معمولی آدمی کی طرح رہتے، ہم میں ان میں کوئی فرق معلوم نہ ہوتا،

جب ہم کچھ پوچھتے تو جواب دیتے، جب ہم آتے تو وہ سلام میں پہل کرتے، جب ہم بلاتے تو بے تکلف آجاتے لیکن ان کے یہاں اس تقرب اور ہمارے اس قرب کے باوجود رعب اتنا تھا کہ ہم گفتگو نہ کر سکتے، اور خود چھیڑ کر بات نہ کر سکتے، دینداروں کی تعظیم کرتے تھے، اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے، طاقتور کو ان سے کسی غلط چیز کی امید نہ ہوتی، اور کمزور ان کے انصاف سے ناامید نہ ہوتا، بخدا میں نے ان کو بعض مواقع پر اس وقت دیکھا ہے کہ رات نے اپنے پردے ڈال دیئے تھے، اور تارے ڈھل گئے تھے، وہ اپنی محراب میں کھڑے تھے، داڑھی پکڑے ہوئے، مارگزیدہ کی طرح تڑپتے تھے، اور اس طرح روتے تھے کہ جیسے دل پر چوٹ لگی ہو، گویا کہ میں سن رہا ہوں اور وہ کہہ رہے ہیں، اے دنیا! اے دنیا! کیا مجھ سے چھیڑ کرنے چلی ہے، اور مجھ پر تیری نظر ہے، اس کی امید نہ کرنا، کسی اور کو فریب دے، میں نے تجھ کو ایسا چھوڑا ہے کہ کبھی تیرا نام بھی نہ لوں گا، تیری عمر مختصر، تیری زندگی بے وقعت اور تیرا خطرہ بہت ہے، ہائے سامانِ سفر کس قدر کم ہے، سفر کتنے دور کا ہے، راستہ کتنا وحشتناک ہے[1]۔

---

[1] صفۃ الصفوۃ ابن جوزی صہ۱۲۲

آخرت کے یقین، محاسبہ کے ڈر اور خدا کے خوف نے، ذمہ داری کا ایسا احساس اور اتنی احتیاط پیدا کر دی تھی، جس کا تصور بھی مشکل ہے، شاید ان چند واقعات سے اس کا کچھ اندازہ ہو سکے،

حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ میری خلافت و حکومت کی حقیقت کیا ہے، بس اتنی کہ تین آدمی سفر میں ہوں، وہ اپنے میں سے ایک کو اپنا خرچ سپرد کر دیں اور اس کو اپنے کاموں کا منتظم بنا دیں، کبھی فرماتے کہ میری مثال یتیم کے منتظم اور سرپرست کی مثال ہے کہ اگر اس کو فراغت ہو تو اپنا کھائے اور اگر احتیاج ہو تو اس کے مال سے بقدر ضرورت لے لے،

ایک مرتبہ صدقہ کے اونٹوں کے سخت گرمی میں تارکول لگا رہے تھے، کسی شخص نے کہا کہ کسی غلام سے فرما دیا ہوتا، فرمایا مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوگا،

فرماتے تھے کہ اگر فرات کے کنارہ بکری کا ایک بچہ بھی مرگیا تو مجھ سے اس کا حساب ہوگا[۱]

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ وہ عام باورچی خانہ میں (جو بیت المال کی طرف سے ہوتا تھا اور جس پر عام مسلمانوں کا حق تھا) گرم کیا ہوا پانی استعمال نہیں کرتے تھے، اور مجبوراً کبھی اس کی نوبت آجاتی تو اس کی اجرت ادا کر دیتے، سرکاری کام کیلئے جو شمع جلتی اس کی روشنی سے ذاتی کام نہ لیتے اگر کوئی ذاتی گفتگو چھیڑ دیتا تو فوراً اس کو گل کر دیتے اور اپنا ذاتی چراغ منگوا لیتے،

---

[۱] سیرۃ عمر بن الخطاب ابن جوزی؛

باوجود اس کے کہ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے شہنشاہ تھے، اور بیک وقت قدیم بازنطینی سلطنت، ساسانی سلطنت اور جدید اسلامی سلطنت کے واحد فرمانروا تھے، ان کی معاشرت اور خرچ کا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ وہ اپنی بچیوں سے ملنے گئے تو دیکھا کہ ہر ایک اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر بات کرتی ہے، انھوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو ان کی دایہ نے کہا، کہ آج گھر میں مسور کی دال اور لہسن کے سوا کھانے کو کچھ نہ تھا، ان بچیوں نے یہی کھایا، اور اس خیال سے کہ آپ کو اس کی بو سے تکلیف نہ ہو، منہ پر ہاتھ رکھ کر بات کرتی ہیں، عمر بن عبدالعزیز یہ سن کر رونے لگے اور کہا کہ بیٹیو! اس میں تمہارا کیا فائدہ کہ تم انواع و اقسام کے کھانے کھاؤ اور تمہارے باپ کو جہنم میں لے جایا جائے، یہ سُن کر بچیاں رونے لگیں[1]،

اسی طرح انسان کی شرافت اور برتری کا ایسا احساس پیدا ہوتا ہے کہ انسان جانوروں کی سطح پر آتر آنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتا، اور اپنے ہم جنس انسانوں کے ساتھ جانوروں یا بے روح جمادات کا سا سلوک کرنے پر اس کا ضمیر مطمئن نہیں ہوتا وہ ان کو اپنے ذاتی تفوق اور اقتدار کے لئے غلام بنانا جائز نہیں سمجھتا اور اپنے اور اپنے بنی نوع کے درمیان کوئی ایسا فرق نہیں دیکھتا، جس سے وہ ان کی تذلیل و اہانت کا حقدار ہو،

اس سلسلہ میں یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ عمرو بن العاص (جو مصر کے گورنر تھے) کے بیٹے نے گھوڑ دوڑ کے موقع پر ایک

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم

مصری کے اس کہنے پر کہ واللہ میرا گھوڑا آگے ہے، مصری کے ایک تھپڑ مارا اور کہا کہ لو ایک شریف زادہ کا یہ طمانچہ، اُس نے حضرت عمرؓ سے جاکر شکایت کی، حضرت عمرؓ نے فوراً عمرو بن العاص کو مع ان کے بیٹے کے طلب کیا، جب وہ آ گئے تو اس مصری سے کہا کہ اس درّہ سے شریف زادہ کو مارو، اس نے عمرو بن العاص کے بیٹے کو اتنے درّے مارے کہ وہ زخموں سے چور چور ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب یہ کوڑہ عمرو بن العاص کے سر پر پھراؤ، اس لئے کہ اس لڑکے نے تم کو جو طمانچہ مارا وہ محض اپنے باپ کی حکومت کے گھمنڈ میں، پھر آپ نے عمرو سے کہا

متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا[1]	کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنایا حالانکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے،

ہمارے علم میں تمدن و تہذیب کی پوری تاریخ میں بھی ایک خالص اصولی اور اخلاقی سوسائٹی تھی، جس میں عزت و رفعت اور فضیلت کا معیار مال و دولت، منصب و وجاہت، نسب و شرافت نہیں تھا بلکہ اخلاق، دینداری اور خدا کا خوف تھا، اس میں عزت و احترام، صدر نشینی و فوقیت، لباس اور ظاہری و اضافی چیزوں کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی تھی بلکہ سارا اعزاز و امتیاز ایمان، عمل صالح اور حسن سیرت کی بنا پر تھا،

حضرت عمرؓ سے ملنے ایک مرتبہ قریش کے بڑے بڑے

---

[1] سیرۃ عمر بن الخطاب ابن جوزی۔

سردار آئے، جن میں سہیل بن عمرو اور ابوسفیان بھی تھے، اور کچھ آزاد شدہ غلام بھی آئے، جن میں صہیب اور بلال رض تھے، عبداللہ ابن عمر نکلے اور صہیب و بلال کو اندر بلالیا، اور سرداران قریش کو چھوڑ دیا، ابوسفیان نے کہا کہ خدا کی شان ہے صہیب و بلال اندر بلائے جاتے ہیں، اور ہم بیٹھے رہتے ہیں، سہیل نے کہا کہ دوستو! اگر تم کو اس بات پہ غصہ آتا ہے، تو اپنے ہی اوپر یہ غصہ اتارو، اس میں ہمارا ہی قصور ہے، بلانے والے نے صلائے عام دی تھی پکارنے والے نے سب کو پکارا تھا، ان لوگوں نے لبیک کہی، ہم بیٹھے رہ گئے، جس طرح ہم نے اس دعوت (اسلام) کو قبول کرنے میں دیر کی اسی طرح آج بھی ہم ہر موقع پر پیچھے رہیں گے، اس وقت کیا ہوگا جب قیامت میں یہ لوگ بلائے جائیں گے اور تم پیچھے رہ جاؤ گے، ان لوگوں نے حضرت عمر رض سے کہا کہ یہ کوتاہی تو ہم سے ہو گئی، اور اس کا داغ تو ہمیشہ رہے گا، اب کسی طرح اس کی تلافی ہو سکتی ہے، حضرت عمر نے شام کی طرف اشارہ کیا، کہ وہاں جاؤ اور جہاد کرو، چنانچہ یہ لوگ شام چلے گئے اور جہاد میں اپنی زندگی بسر کی[1]

حضرت عمر رض نے بیت المال کی تقسیم میں بھی یہی ترتیب رکھی تھی، کہ اسلام کے قبول کرنے میں اور اس کی خدمت میں جس کا جتنا حصہ تھا اسی کے مطابق اس کو بیت المال سے ملے گا۔

شام کے سفر میں جب حضرت عمر رض سے حضرت ابو عبیدہ نے یہ کہا کہ اس وقت سب کی نگاہیں آپ کی طرف ہیں، آپ

---

[1] سیرۃ عمر بن الخطاب ابن جوزی،

اپنا لباس کچھ درست کر لیجئے، تو انہوں نے فرمایا کہ ابو عبیدہ تمہاری زبان سے میں یہ نہ سنتا تو اچھا تھا، دنیا میں ہم سے تم سے زیادہ ذلیل زیادہ بے وقعت اور ہم سے کم کوئی نہ تھا، اللہ نے اسلام کے ذریعہ ہم کو عزت دی، اب اللہ کے سوا اگر کسی اور ذریعہ سے تم عزت کے طالب ہو گے تو اللہ تم کو ذلیل کر دے گا[1]

حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت جن لوگوں کے لئے فرمایا تھا کہ ان میں اگر کوئی زندہ ہوتا تو خلافت کا اہل تھا، ان میں سے ایک سالم بھی تھے، جو حضرت ابوحذیفہ کے آزاد کئے ہوئے غلام تھے،

بلال حبشی رضؓ نے اپنے بھائی کا انصار کے ایک شریف گھرانے میں پیام دیا، تو اپنا تعارف اس طرح کرایا کہ میں بلال ہوں حبشی نژاد اور آزاد شدہ غلام، یہ میرا بھائی ہے، اگر اپنے خاندان میں اس کی شادی کرتے ہو تو بسم اللہ ورنہ اللہ اکبر، اللہ بہت بڑا ہے، ہر طرف سے آواز آئی بسر و چشم ہم کو منظور ہے،

بھائی نے کہا کہ اس وقت اس اظہار واقعہ کی کیا ضرورت تھی کہا کہ اسی راست گوئی کی بدولت تمہاری شادی ہوئی[2]

جنسی اور جاہلی تمدن کے خلاف اس تمدن کی بنیاد خالص عقائد اخلاق اور اصول پر ہوتی ہے، اور ان کو مصالح اور فوائد پر قربان کرنا، کفر و ارتداد کے مرادف ہوتا ہے، اس مذہب کے پیرو اور اس تمدن کے نمایندے دنیا میں حق و انصاف کے علمبردار اور خدا کی زمین پر خدائی فوجدار ہوتے ہیں، دوستی اور دشمنی کسی موقع

[1] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر [2] طبقات بن سعد

پر حق و انصاف کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا، اور حق کے موقع پر وہ دوست اور دشمن، خویش و بیگانہ میں تفریق نہیں کرتے،

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ ع ۱)	اے ایمان والو کھڑے ہو جانے والے ہو اللہ کے واسطے گواہی دینے والے انصاف کے اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقوے سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کو تمہارے عمل کی خوب خبر ہے،

ان کا اشتراک عمل اور تعاون غیر مشروط اور غیر محدود نہیں ہوتا، وہ صرف نیکی اور انصاف پر ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں،

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ ع ۱)	اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر۔

اسی ذہنیت اور تربیت کا نتیجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر یہ الفاظ فرمائے، جس کے سننے کے وہ جاہلیت میں عادی تھے، انصر اخاک ظالماً او مظلوماً تو مسلمان صبر نہ کر سکے، اور ادب بھی یہ سوال کرنے سے مانع نہ آیا، کہ یا رسول اللہ وہ مظلوم ہو تو بے شک ہم اس کی مدد کریں، مگر اگر وہ ظالم ہو تو ہم کس طرح اس کی مدد کریں، آپ نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لو، اور اس کو ظلم

نہ کرنے دو۔[۱]

اسلامی جماعت کی صحیح تعریف یہ ہے جو قرآن نے کی ہے،

---

[۱] کسی جماعت یا فرد کی جانبداری محض حمیت جاہلیت کی بنا پر اور حق کے خلاف خاندانی یا قومی پاسداری اور گروہ بندی جس کا نام اسلام کی اصطلاح میں "عصبیت" ہے، ایسا خلاف اسلام فعل اور شرعی گناہ سمجھا گیا ہے کہ فقہاء اسلام نے اس کو شہادت کے غیر معتبر ہونے کے بڑے اسباب میں شمار کیا ہے، اور ایسے شخص کو جو اس کی دعوت دے مردود الشہادۃ قرار دیا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جلیل القدر مجتہدانہ تصنیف کتاب الام کی جلد ۶ میں اس پر گفتگو فرماتے ہوئے اسلام کی صحیح روح اور نقطۂ نظر کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:-

"جو شخص گفتگو کے ذریعہ عصبیت ظاہر کرے اس کی دعوت دے اور اس پر مشغلہ بنائے اگرچہ جنگ کی نوبت نہ آئے تو وہ مردود الشہادت ہے، اس لئے کہ اس نے ایسا ایسے فعل حرام کا ارتکاب کیا جس کی حرمت میں میرے علم میں علماء اسلام میں کوئی اختلاف نہیں، تمام لوگ اللہ کے بندے ہیں، ان میں سے کوئی اس کی بندگی سے خارج نہیں اور ان میں محبت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو اللہ کا سب سے زیادہ فرمانبردار اور مطیع ہو، اور اس کی اطاعت کرنے والوں میں فضیلت و ترجیح کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے، جو جماعت مسلمین کے لئے سب سے زیادہ مفید اور کارآمد ہو، جیسے خلیفہ، منصف، عالم مجتہد

(باقی ص ۱۰۴ پر)

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (پ۱۰ ع۱۵)

ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں، نیک بات سکھلاتے ہیں، بری بات سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳) اور عام و خاص مسلمان کی مدد کرنے والا، اس لئے کہ ان لوگوں کی طاعت اور عمل بہت سے عام مسلمانوں کی طاعت اور عمل کا ذریعہ اور سبب ہے، تو جس کی طاعت اور عمل زیادہ ہے، وہ اس سے بہتر ہے، جس کا عمل کم ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں اسلام کے ذریعہ مساوات پیدا کر دی ہے، اور ان کو اسلام کی طرف منسوب کیا ہے پس وہ ان کا سب سے معزز نسب ہے، پس اگر کوئی شخص کسی شخص سے محبت کرے تو اسلام کی بنا پر محبت کرے اور اگر کوئی شخص اپنی قوم کے ساتھ خصوصی محبت رکھتا ہے، لیکن دوسروں کے ساتھ کوئی حق تلفی اور زیادتی نہیں کرتا تو یہ صلۂ رحمی ہے، عصبیت نہیں، اور ہر شخص میں کچھ قابل محبت باتیں ہوتی ہیں، اور کچھ لائق ناپسندیدگی کسی ایسے شخص کی محبت میں جس سے تعلق ہو، ناپسندیدہ امر یہ ہے، کہ اس کے ساتھ دوسروں پر زیادتی کرنے لگے ان کے نسب میں طعن و اعتراض کرے اور ان کے خلاف

(بقیہ صفحہ ۱۰۵ پر)

اشراقی فلسفہ اور نظام کے برخلاف اس میں ترک دنیا اور ترک علائق، صحرانشینی اور رہبانیت کے عناصر نہیں ہیں، خودکشی خواہ وہ دفعۃً ہو یا تدریجی حرام ہے، خود آزادی اور جسمانی تعذیب ناجائز تجرد و ترک ازدواج غیر مستحسن فعل، صحرانشینی اور دائمی خلوت گزینی ناپسندیدہ عمل، غیر فطری ریاضتیں، اور نفس کشی، عبادت و زہد میں بے اعتدالی سب خلاف تعلیمات ہیں، اوپر یہ آیت گزر چکی ہے،

(حاشیہ سلسلہ ص ۱۰۴) جتھابندی کرے اور نسب کی بنا پر نفرت و بغض رکھے، البتہ اگر دوسرا شخص کسی گناہ کا مرتکب ہے یا اس کی کسی زیادتی اور ظلم کی بنا پر اس کو اس سے نفرت ہے تو مضائقہ نہیں، لیکن یہ کہنا کہ میں اس سے اس لئے نفرت کرتا ہوں اور بغض رکھتا ہوں کہ وہ فلاں خاندان سے ہے اور فلاں قوم سے ہے، یہ وہ خالص عصبیت ہے، جس سے شہادت نامقبول کردی جائے گی، اگر کوئی شخص کہے کہ اس کی شرعی دلیل کیا ہے تو کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انما المؤمنون اخوۃ مسلمان بالکل بھائی بھائی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وکونوا عباداللہ اخوانا اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ تو اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرنا اور عصبیت جیسے فعل حرام کا جس میں کوئی تاویل نہیں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں صاف صاف ارتکاب کرتے رہنا ایسا ہی جرم ہے کہ اس سے آدمی مردود الشہادۃ قرار دیا جائے، (ص ۲۱۱ و ۲۱۲ شہادۃ اہل العصبیۃ)

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ،	کہو کس نے اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی اور کھانے پینے کی پاک صاف چیزیں حرام کیں ،
وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا	کھاؤ پیو اور اسراف سے بچو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ	اسلام میں رہبانیت نہیں ،
لَا صَرُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ	اسلام میں تجرد نہیں
اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي	نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اجتناب کرے اس کا مجھ سے تعلق نہیں

آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو جو مسلسل روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نمازیں پڑھتے تھے ، یہ نصیحت فرمائی ۔

فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَظًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَظًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَظًّا صُمْ وَأَفْطِرْ ،	تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے ، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے ، کسی دن روزہ رکھو کسی دن نہ رکھو ،

ان لوگوں کی دعا یہ ہوتی ہے ،

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ ع)	اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہم کو جہنم کی آگ سے بچا ۔

یہاں مردانگی کسی غار میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرنا نہیں ، بلکہ

زندگی کی کشاکش، بازاروں کے شور و غوغا اور کاروبار کی مصروفیت میں خدا کو نہ بھولنا جو اَمردی ہے،

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور ع ۴)

وہ جوانمرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد اور نماز کی ادائگی سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں، جس میں دل اور نگاہیں پلٹ جائیں گی،

یہاں صرف خدا کی یاد اور اس کی عبادت پر اکتفا نہیں بلکہ نماز کے بعد کسب معاش، حصول رزق اور محنت و تجارت کی بھی ترغیب ہے،

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ (الجمعہ ع ۲)

جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ، اور اللہ کے فضل کی تلاش کرو،

عقلی تمدن کے برخلاف اس میں اخلاق و اجتماع کے بارہ میں چند ثابت شدہ اور مسلم حقائق اخلاق کی چند غیر متزلزل بنیادیں اور خیر و شر کے کچھ دائمی معیار ہیں، جس میں کسی عقلی ترقی یا تنزل یا تغیر سے کوئی فرق نہیں ہوگا، جو چیز بری ہے وہ قیامت تک بری رہے گی اور جو چیز اچھی ہے، وہ ہر زمانہ میں اچھی رہے گی، شرم و حیا، تہذیب و اخلاق، وفاداری، معاہدہ کی پابندی سچائی، امانت داری، عفت و عصمت ہر دور اور ہر قسم کے حالات میں مستحسن، قابلِ تعریف اور ضروری اوصاف و اخلاق

رہیں گے، اور ان کی حقیقت اور ان کے اعتبار میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، اس کے مقابلہ میں ان کے مقابل اوصاف ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مذموم اور ناپسندیدہ صفات سمجھے جائیں گے، خواہ عقل ان میں کسی قدر مصالح و منافع دکھائے، اور ان کے جائز اور بعض اوقات فرض ہونے کا فتوےٰ دے، اخلاق کا معیار انسان کا ذوق و وجدان یا اس کی تعریف و اصطلاح یا اس کا تجربہ یا اس کی عقل نہیں ہوگی کہ ان میں سے ہر چیز بدل جانے والی ہے، اور بہت سی چیزوں سے متاثر ہونے والی ہے[۱] یہاں خیر و شر کا معیار خود ان اشیاء کی فطرت ہے، جس کی وضاحت کرنے والی اور پھر اس کی حفاظت کرنے والی وحی و رسالت ہے،

---

[۱] عقلی تمدن و فلسفہ کے دور میں اکثر قوم اور سوسائٹی پر سوفسطائیت طاری ہو جاتی ہے، حقائق اشیاء کا اور اخلاق و صفات کے باہمی فرق کا انکار کیا جانے لگتا ہے، خیر و شر کے قدیم معیاروں اور ان کی تعریفوں میں شک کیا جانے لگتا ہے، اخلاق و صفات، حسن و قبح محض اعتباری اور نسبی شئے سمجھی جانے لگتی ہے، جو زمان و مکان کے اختلاف سے بدلتی رہتی ہے، یہ ذہنی کیفیت سخت اخلاقی انحلال اور اجتماعی اختلال پیدا کر دیتی ہے اور جب کسی قوم کی زندگی میں یہ دور آجاتا ہے، تو پھر اس کو تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی، یونان قدیم میں اس کی قومی بربادی کے وقت یہی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، ایران قدیم میں اسنے اباحیت (ہر چیز کو جائز سمجھنا) کا رنگ اختیار کر لیا تھا، اور پورا نظام تمدن و معاشرت زیر و زبر کر دیا، روم کے مورخین اسی کا شکوہ کرتے ہیں، اور آج یورپ میں (باقی صفحہ ۱۰۹ پر)

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ

اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کے بنائے ہوئے کو کوئی بدل نہیں سکتا یہی سیدھا اور استوار دین ہے،

اس طرح یہ تمدن پورے طور پر مسخ ہونے سے محفوظ رہتا ہے، اور اس کی ان خرابیوں کی اصلاح کا جو باہر سے اس میں داخل ہو جاتی ہیں، موقع رہتا ہے اور اس کی تجدید ممکن ہوتی ہے،

اس موقع پر یہ ممکن نہیں کہ اسلامی تمدن کے پورے خط و خال اور اس کی پوری خصوصیات پیش کر دی جائیں اس کے لئے کتابیں بھی ناکافی ہوں گی، یہاں پر صرف اس کی روح اور اس کا خاص مزاج پیش کرنا تھا، اور میں سمجھتا ہوں کہ میں نے جو کچھ عرض کیا اس سے آپ اس کی اسپرٹ سمجھ گئے ہوں گے، اور سابق الذکر تہذیبوں اور اس الہامی تہذیب کے درمیان جو اصولی اور جوہری فرق ہے، وہ آپ کے سامنے آ گیا ہوگا،

اب آخر میں میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ کے نزدیک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸) بعینہٖ یہی کیفیت موجود ہے، اور وہاں مفکرین اور اصلاح پسند اشخاص عرصہ سے سخت خطرہ محسوس کر رہے تھے مگر اس کا علاج کسی کے پاس کچھ نہیں، اس کی روک تھام صرف نبوت کی تعلیمات اور محفوظ مذاہب کر سکتے ہیں، جو اخلاق کا فیصلہ اور حسن و قبح کا معیار عقل یا تجربہ پر نہیں چھوڑتے، بلکہ ان کو خود طے کر کے دیتے ہیں، اور ان کی نگرانی کرتے رہتے ہیں،

مادی تمدن قابل ترجیح ہے، اور اس کے نتائج انسانیت اور اخلاق کے حق میں زیادہ مفید ہیں، تو پھر مجھے آپ سے کچھ کہنا نہیں، اس لئے کہ یہ خوش قسمت تمدن زمین کے سب سے بڑے رقبہ پر حکمراں ہے، اور باوجود اس کے کہ وہ انسانوں کی ایک بڑی تعداد (غالباً سب سے بڑی تعداد) کے لئے مغناطیس کی کشش رکھتا ہے، پھر بھی اس کے لئے یا اس میں کسی جزئی ترمیم کے لئے یا اس کو زیادہ تیز کرنے کے لئے اس وقت بڑی جدوجہد برپا ہے، اس کے لئے قومیں کی قومیں قربانیاں پیش کر رہی ہیں، اس لئے اس کی خاطر آپ کو کسی خاص جدوجہد یا قربانی کی ضرورت نہیں، یہ ایک مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا سمندر اور ایک بہتا ہوا دھارا ہے، آپ کا کام صرف یہ ہے کہ آپ اپنے کو اس کے حوالہ کر دیں،

لیکن اگر آپ کا انتخاب اس کے برعکس ہے تو پھر اس کے لئے آپ کو سخت جدوجہد کرنی پڑے گی، آپ کو دریا کے رخ کے خلاف پیرنا پڑے گا، بلکہ دریا کا رُخ پھیرنا ہوگا، آپ کو خود اپنی ان خواہشات، افکار و خیالات اور رسوم و عادات کی سب سے پہلے قربانی کرنی پڑے گی، جو صدیوں سے حسی و مادی تمدن و تہذیب اور نظام حیات میں رہنے کی وجہ سے آپ کی زندگی کا جز بن گئی ہیں، آپ کو اس عظیم الشان مقصد کے مقابلے میں دوسرے فروتر مقاصد زندگی کو خیرباد کہنا ہوگا، آپ کو اپنا پورا نظام تعلیم و تربیت اس مقصد کا تابع اور اس کا ہم آہنگ بنانا ہوگا اور اس میں جتنے اجزاء اس سے موافقت نہیں رکھتے یا اس سے متصادم ہیں، ان کو

حذف کرنا ہوگا ،

یہ کام دنیا کا سب سے بڑا کام ہے ، اور اس کی ذمہ داری تنہا آپ کے سر ہے ، زندگی کے جتنے نقشے دوسروں کے پاس تھے وہ ان کو بار بار آزما چکے ، اور ناکام ہو چکے ، اب صرف آپ کا نقشہ باقی ہے ، جو صرف ایک بار آزمایا گیا تھا ، اور پورے طور پہ کامیاب ثابت ہوا تھا ، دنیا کی بوسیدہ اور متزلزل عمارت اب پھر آپ کی تعمیر نو کی منتظر ہے ،

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر الٰہی اس کام کا فیصلہ کر چکی ہے اللہ کو اپنی اس زمین کی بربادی ہمیشہ کے لئے منظور نہیں ، اگر یہ کام آپ سے نہ ہو سکے گا ، تو دوسروں کے ہاتھوں ہوگا ،

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ

ابوالحسن علی